www.urducouncil.nic.in

Azadi Ka Amrit Mahotsav

G20 भारत 2023 INDIA

مارچ 2024، قیمت :- ₹10

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔ یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

بچوں کی دنیا

جلد: 12 شمارہ: 03 مارچ 2024

مدیر : پروفیسر دھننجے سنگھ

نائب مدیر : عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10روپے، سالانہ/100روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی- 110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
عالمی یوم گوریا 20 مارچ	انصار احمد معروفی	07
کچھ اس طرح بنو کہ زمانہ مثال دے	سیدہ نوشاد بیگم محمود	10
کامیابی کی تین سیڑھی	طفیل احمد مصباحی	12
جشنِ ہولی		
عجب ہے ارض و سما پر بہار ہولی میں	برج لال رعنا	16
کتنے رنگوں کا ہوگا آج ملن	راشد اعظمی	17
'ہولی' اور ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب	محمد توصیف رضا	18
نظمیں		
اک انقلاب لائیں	کوثر صدیقی	21
قطعات	احمد کمال حشمی	22
جھنجھنا	محمد وزیر عالم	23
پانی کی کہانی	مرزا منہاج الدین	24
چاند پر کرکٹ کھیلیں گے	پرویز مانوس	25
اس کی تخلیق کا کمال ہے یہ	تبسم سحر	26
تتلی	عمران شجر	27
اچھی بچی	رقیہ مظفر پوری	28
قسط وار ناول		
جنگل کی کہانی / رمیش نارائن تیواری	مترجمہ : زینت شہریار	29
انٹرویو		
علم ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتا ہے	زیب النساء	35
کہانیاں		
چاکلیٹ	سلمیٰ یوسف حسین	38
کالا چوہا، سفید چوہا	پرویز شہریار	40
برے کام کا برا انجام	محمد طارق	44
مبشر اور جھینگا	شاہنواز ابراہیم	46
نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی	یاسمین بانو	49
ترجمہ		
پالیتھین اب نہیں	اشوک انجم، مترجم : عاتکہ ماہین	51
بچوں کا کتب خانہ		
منی کے گیت/شفیع الدین نیر	محمد اکرام	54
زبان شناسی		
بے موقع یا غلط استعمال ہونے والے الفاظ		57
واقفیت عامہ		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	58
ننھے فنکار		
پینٹنگ		59

پیارے بچو! ہمارے ملک ہندوستان میں مختلف طرح کے تہوار منائے جاتے ہیں جن سے ہمارے جذبات جڑے ہوئے ہیں جیسے ہولی، دیوالی، عید، کرسمس اور گرونانک جینتی، یوم جمہوریہ، یوم آزادی اور گاندھی جینتی وغیرہ، ان تہواروں کو پورے ملک میں جوش وخروش اور امنگ کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کو تہواروں کا ملک بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہاں ہر مہینے کوئی نہ کوئی تہوار ہوتا ہے، یہاں تہواروں کی کثرت اس لیے بھی ہے کہ ہر مذہب کے پیروکار اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق اپنا تہوار مناتے ہیں۔ ہر تہوار کا اپنا طریقہ اور اس کی اپنی روایت ہے، لیکن ان تہواروں میں ایک بات مشترک ہے کہ سارے تہوار انسانیت، رواداری، اتحاد و یکجہتی اور سماجی رشتوں کا پیغام دیتے ہیں۔

بچو! ہمارے تہوار ہمارے ملک کی مختلف تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں، تہواروں کا سب سے اہم مقصد یہی ہے کہ آپس میں میل جول بڑھے، لوگ ایک دوسرے کی خوشی اور دکھ درد میں شریک ہوں، تہواروں میں ایک دوسرے کو تحفے دیے جاتے ہیں جس سے آپسی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، ہمارے اردگرد جو غریب مجبور لوگ رہتے ہیں ان کی مدد کی جاتی ہے تاکہ وہ بھی ہنسی خوشی تہوار منا سکیں، تہوار گلے شکوے اور لڑائی جھگڑے کو ختم کرکے سب کو ایک لڑی میں پرونے کا کام کرتے ہیں، یہ تہوار ہماری تفریح طبع کا ذریعہ تو ہیں ہی ساتھ ہی یہ ہمارے ذہنی تناؤ کو ختم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں، مثبت سوچ وفکر کو پروان چڑھانے اور منفی سوچ کو ختم کرنے میں بھی یہ ہماری مدد کرتے ہیں، ہماری زندگی میں تہوار کی بڑی اہمیت ہے، اگر یہ تہوار نہ ہوتے تو ہماری زندگی بے رنگ ہوتی، ان تہواروں نے ہماری زندگی میں رنگ بھرنے کا کام کیا ہے۔

بچو! سماجی ہم آہنگی کی فضا قائم کرنے میں بھی ان تہواروں کا اہم رول ہے، یہ تہوار اپنے ساتھ خوشیاں لاتے ہیں، ان تہواروں کی وجہ سے ہم اپنے دوست احباب اور رشتے داروں سے کھل کر ملتے ہیں، انھیں گلے لگاتے ہیں، انھیں مبارکباد دیتے ہیں، سب مل جل کر خوشیاں بانٹتے ہیں، یہ تہوار ہی ہے جو پرانی رنجش اور دوریاں مٹانے کا کام کرتا ہے۔ ان تہواروں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں آپس میں مل جل کر رہنا چاہیے، سارے مذاہب کا احترام کرنا چاہیے، سب کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھنا چاہیے، اس سے ہماری تہذیب وثقافت بھی باقی رہے گی، اور ہم اس انوکھی وراثت کو اگلی نسل تک منتقل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

پیارے بچو! ہولی ہندوستان کا مشہور و معروف تہوار ہے، ہولی کو رنگوں کا تہوار بھی کہا جاتا ہے، مارچ 2024 کے شمارے میں ہولی کی مناسبت سے دو نظم اور ایک مضمون بھی دیا جارہا ہے، جب آپ اسے پڑھیں گے تو آپ کو ہولی کی رنگارنگی کا اندازہ ہوگا اور یہ تہوار ہمیں کیا پیغام دیتا ہے اسے بھی آپ بخوبی سمجھ پائیں گے۔ اس کے علاوہ کئی نظمیں اور دلچسپ کہانیاں بھی شامل ہیں، آپ کے جنرل نالج میں اضافے کے لیے تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات کے تحت ہر ماہ بیس سوالات مع جوابات دیے جاتے ہیں، اسے آپ یاد کرنے کے ساتھ محفوظ بھی رکھیں، یہ آپ کے مستقبل میں بہت کام آئیں گے۔

آپ کا

پروفیسر دھننجے سنگھ

ڈاک خانہ

گرین ٹریز پبلک اسکول شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی

'بچوں کی دنیا' کے مشمولات کی تحسین جتنی کی جائے کم ہے۔ اس رسالے کے قارئین بچے جوان مرد عورت سب پسند کرتے ہیں۔ بچوں کے لیے سبق آموز کہانیاں، نظمیں سلاست و روانی کے وصف سے مزین ہوتی ہیں۔

اس وقت میرے سامنے رسالہ 'بچوں کی دنیا' فروری 2024 کا شمارہ ہے۔ اس کے تمام مشمولات عمدہ ہیں۔ خاص طور پر عصری موضوعات کے ساتھ ساتھ اخلاقی عنوانات پر تحریریں نہایت وقیع ہوتی ہیں مثلاً شیدا بکھونوی کی نظم 'ممی'، شکیل انجم کی نظم موبائل نے کافی متاثر کیا۔ محمد مصطفیٰ کی نظم 'میرا کوئی نہیں' دل کو لگتی ہوئی ہے۔ بچوں کی دنیا میں سوال و جواب کا کالم وقت کا تقاضا تھا۔ انیس اعظمی کا ڈراما 'کلو میاں اور ٹائیگر' مہمیز کرنے والا ہے۔

شیخ حسین کی کہانی 'بولتا شیر' ہر انسان کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ مشکل وقت میں گھبرانے کے بجائے عقلمندی اور ثابت قدمی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ گھبرانے کے بجائے ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لینے کی ضرورت ہے تاکہ انسان صحیح نتیجے پر پہنچ سکے۔ 'حاسد لومڑی' کہانی برے کام کے برے انجام سے بچنے کی تلقین کرتی ہے۔ رسالے کے تمام عنوانات سماج کے کسی نہ کسی گوشے کو مس کرتے ہیں۔

فردوس بانو فلاحی، M-109، گلمرگ اپارٹمنٹ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

بچوں کی دنیا فروری کا شمارہ وقت پر موصول ہوا، اداریہ بے حد معلوماتی ہے اور مختصر انداز میں مادری زبان کی اہمیت و افادیت کو بیان کیا گیا ہے، ڈاک خانہ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ قارئین نہ صرف بغور مطالعہ کرتے ہیں بلکہ اپنی آرا کا اظہار بھی کھل کر کرتے ہیں، مضامین کے تحت دو اہم اور معلوماتی مضامین دیے گئے ہیں، 'غالب کی ظرافت' پڑھ کر اچھا لگا، 'پرندے کی اہمیت' بے حد معلوماتی مضمون ہے، اس سے بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کے علم میں بھی اضافہ ہوگا، نظمیں بھی اچھی ہیں، خاص طور پر ممی نظم مجھے بہت پسند آئی، ماں کی بات اور ماں پر بات ہو تو اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے، متین الدین صاحب کا انٹرویو طویل ہے، ان کے تاثرات اور ان کے تجربات سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے، قسط وار ناول ایک اچھا سلسلہ ہے، بچوں کو یہ کہانی ضرور اچھی لگے گی، اس لیے کہ اس میں شیر، بھالو، بھیڑیا، بندر اور سانپ وغیرہ کو کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے، کہانیوں میں 'آداب فرزندی' اچھی لگی، اس میں ایک فرمانبردار بیٹے کی کہانی کو خوبصورت انداز سے پیش کیا گیا ہے، اس طرح کی کہانی زیادہ سے زیادہ شائع ہونی چاہیے، آج کل کے ماحول میں اس طرح کی کہانیوں کی اشد ضرورت ہے، ٹیسٹ کرکٹ پر مضمون شاندار ہے، اس لیے کہ بچے کھیل میں کرکٹ کو سب سے زیادہ پسند کرتے

ہیں۔ اس کی وجہ ہندوستان میں کرکٹ کھلاڑیوں کی بے پناہ مقبولیت ہے، جس میدان میں بھی جائیں بچے وہاں کرکٹ کھیلتے ہوئے نظر آجائیں گے۔ تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات ایک اچھا سلسلہ ہے، اسے جاری رہنا چاہیے، اس سے بچوں کی معلومات میں زبردست اضافہ ہوگا، پینٹنگ کے تحت بچوں کی رنگ برنگی ڈرائنگ دیکھ کر دل خوش ہوگیا، بچوں کو اس طرح کی سرگرمی میں مشغول رکھنا بہت ضروری ہے، ایک اچھے اور معیاری رسالے کے لیے ایڈیٹر اور ادارہ مبارکباد کا مستحق ہے۔

عریشہ ناز، رہوا، رام پور، وارث نگر، سمستی پور، بہار

ماہنامہ نامہ بچوں کی دنیا جنوری 2024 ملا بلکہ وقت پر موصول ہوا۔ مدیر محترم کا اداریہ نصیحت سے بھرپور ہے۔ تمام مضامین ادب اطفال کے روشن منارے تھے۔ مضامین کا تنوع مطالعہ کے لیے مہمیز کرتا ہے۔ ڈاک خانے کے عنوان پر قارئین کے تاثرات رسالے کی مقبولیت پر دال ہیں۔ عظیم اقبال کے قائدانہ اوصاف شناخت وفروغ بچوں کے اندر چھپی ہوئی صلاحیت کو پہچان کر ان کو پروان چڑھانے کی ایک سعی جمیل تھی، امتیاز احمد انصاری کا مسلم نوبل یافتگان مختصر مگر تاریخی دستاویز ہے۔ ڈاکٹر فاروق اعظم قاسمی کا مضمون اصلی آدمی نقلی آدمی نے تو ضمیر کو جگا کر بلکہ باطن کو ہلا کر رکھ دیا۔ اتنے حساس موضوع کو تمثیل کے ذریعے تفہیم میں ایسی تسہیل پیدا کر دی کہ زبان واہ اور دل آہ کر اٹھا۔ جشن جمہوریہ کی تمام نظمیں خوب تر تھیں محمد مستمر کی چٹنی نے تو منھ میں پانی لا دیا۔ چٹ مصدر سے صیغہ چٹنی سے ادب کے جو چٹخارے پھوٹے ہیں تو پورا مضمون ہی چٹپٹا ہوگیا۔ پان لبوں کی شان اپنے عنوان کی جان تھا۔ اسامہ انصاری کا مضمون بچوں میں اسمارٹ فون کی عادت اور اس سے بچاؤ بچوں میں پیدا ہوئے عمومی مرض کا عام علاج تھا۔ چمن چمن کے پھول نے تو گویا رسالہ کو گلزار بنا دیا۔ تہذیبی، ثقافتی وسائنسی معلومات کے لیے ایک صفحہ جنرل نالج کی بک کا اہم پیج معلوم ہوا۔ ننھے بچوں کی قلم کاری کو خدا روانی بخشے آمین۔

ابراہیم قاسمی، قاسم مسجد کے پاس، دھراعلی گڑھ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اردو طلبہ کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو ٹیچرز کے لیے بھی یہ جادوئی چھڑی سے کم نہیں جس کا سہارا لے کر ہم بچوں میں مطالعے کا ذوق وشوق بڑھا سکتے ہیں۔ دورِ حاضر میں موبائل فون کے منفی اثرات سے اوروں کی طرح ہر طالب علم پریشان ہے۔ خصوصی طور پر بچوں کے ہاتھوں سے موبائل فون اس وقت تک نہیں چھوٹ سکتے جس وقت تک ہم انھیں کتابوں سے دوستی نہ کرادیں۔ کتاب انسان کی بہترین دوست ہے۔ کتاب ہی کی مدد سے ہم بچوں کی تعلیم و تربیت عمدہ طریقہ سے کرسکتے ہیں۔ لہٰذا گر کتب اور لائبریریوں سے جوڑنے کے لیے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک کلیدی رول نبھا رہا ہے۔ موبائل کے منفی اثرات کو مثبت سوچ میں تبدیل کرنے لیے ہر طالب علم کو اردو کا کوئی نہ کوئی ماہنامہ ضرور پڑھنا چاہیے۔ خاص طور سے 'بچوں کی دنیا' سے ہر طالب علم کی دوستی ہونی چاہیے۔ میرے اسکول کے طلبہ کی جب سے اس ماہنامے سے دوستی ہوئی ہے۔ ان میں فکروعمل کی روشنی واضح طور پر دکھائی دے رہی ہے۔ تمام اردو اسکولس کالجز کے پرنسپل اور اردو اساتذہ کو مطالعے کی اہمیت وافادیت پر زور دینا چاہیے اور اردو میگزین کو فروغ دینے کی انتھک کوشش کرنی چاہیے۔

منور حسین چھوٹے خان (معلم، احمد نگر اردو ہائی اسکول، احمد نگر)

میں بچوں کی دنیا کا مطالعہ 2020 سے کرتا آرہا ہوں، نومبر 2023 کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ رسالے کے تمام مضامین بہت اچھے لگے ہیں۔ خاص طور پر مثنوی مولانا روم سے چند قصے اور پیاری چڑیاں وغیرہ بہت زیادہ پسند آئے ہیں، میری یہ دلی خواہش ہے کہ یہ رسالہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرے۔

محراج دین، سلر پہلگام، کشمیر

عالمی یوم گوریا 20 مارچ
(World Sparrow Day)

انصار احمد معروفی

انسانوں اور چڑیوں کا ساتھ ہزاروں سال پرانا ہے، بالخصوص گھریلو چڑیا 'گوریا' اور اس کی فیملی کا۔ گوریا کا رشتہ پرانا ہونے کی وجہ سے اس نے اپنا بنیادی بسیرا انسانی آبادی، گھر مکان اور درختوں کو بنایا ہے۔ بہت پہلے جب اتنی انسانی آبادی پھیلی ہوئی نہیں تھی۔ گھر کے بڑے بڑے آنگن ہوا کرتے تھے، جس میں شہتوت، امرود، آم اور جامن وغیرہ کے پھل دار درخت لگائے جاتے تھے۔اس وقت گھر اور باہر کی فضا صاف ستھری ہوا کرتی تھی۔ بہت سے پرندے ان درختوں پر صبح و شام اپنا بسیرا کیا کرتے تھے۔ صبح و شام ان سیکڑوں چڑیوں کا مل کر چہچہانا اور صبح فجر کے وقت اٹھ کر ان کا خدا کی حمد گانا کتنا بھلا اور مسحور کن لگتا تھا، اس کے نغموں کی وجہ سے گھر اور باہر کی فضا نہایت دلآویز ہو جایا کرتی تھی۔ ان کے مترنم شور کی دلکشی کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

مگر جب سے خاندان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئے، ایک ہی گھر میں کئی فیملی آباد ہونے کی وجہ سے مکانات کو اور آنگن کو تقسیم کر دیا گیا، اور چھوٹے چھوٹے آنگن کو لوہے کی جالیوں سے ڈھک دیا گیا، تب سے ان چڑیوں کے راستے بند ہوگئے، مکانات کی تقسیم در تقسیم کی بنا پر درختوں کو جڑ سے کاٹ کر وہاں مکانوں کی تعمیر کر دی گئی اور اس طرح ان چڑیوں کے آنگن میں اترنے کا راستہ بند ہوگیا، اور مشہور مصرعہ 'وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا' کے مصداق ان کی پناہ گاہیں ان درختوں پر بنے ہوئے گھونسلے زمیں بوس ہوگئے۔ مجبوراً چڑیوں نے اس جگہ سے ہجرت کر کے گھر اور آنگن کے باہر دوسری جگہ اپنی پناہ تلاش کر لی، اور اس طرح دور بہت دور انھوں نے جہاں اپنا آشیانہ بنا لیا، وہاں لوگ ان کی مترنم آوازوں اور دعاؤں سے محروم ہوگئے گھروں اور وسیع صحنوں میں گرے پڑے دانے ان کی غذائیں ہوا کرتی تھیں، جس سے صفائی بھی ہو جاتی تھی۔ ان کا اور ان کے معصوم بچوں کا پیٹ بھر جاتا تھا اور ان کے دل سے نکلی دعائیں مل جایا کرتی تھیں۔ اب بہت کم ہی ایسی جگہیں محلے اور شہر میں بچی ہوں

گی جہاں انھوں نے اپنا مسکن بنایا ہو، اس لیے آج (2024) کی نئی نسل میں کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو گوریا یعنی چڑے اور چڑی کی شکل وصورت سے ناواقف ہوں گے، اور ان کی نغمہ طرازیوں سے بے بہرہ ہوں گے، البتہ ان کی آوازیں رنگ ٹون اور موبائلوں کے میسیج سے ہی صرف جانتے ہوں گے۔ بچے ان کی صورتیں انٹرنیٹ کی تصویروں سے ہی دیکھ پاتے ہوں گے۔

راقم الحروف (انصار احمد معروفی قاسمی) کو یاد ہے کہ بچپن میں ہمارے وسیع صحن میں امرود کے دو بڑے بڑے درخت اور ایک شہتوت کا بڑا گھنا پیڑ تھا، پہلے ایک نیم کا بھی درخت تھا۔ دونوں پیڑوں پر بالخصوص شہتوت کے درخت پر بلا مبالغہ سیکڑوں گوریا نے اس پر اپنا مسکن بنایا ہوا تھا، شعور کی آنکھ کھولتے ہی ہم نے ان کو اپنے گھر کا ساتھی سمجھا، رات کو اسی پر ان کا بسیرا ہوا کرتا تھا، عصر کے بعد سے ہی دن بھر کی تھکی ماندی چڑیائیں اپنی اپنی روزی تلاش کرنے کے بعد رات بھر سونے کے لیے اس شہتوت کے پیڑ پر چلی آیا کرتی تھیں۔کبھی ایک ساتھ جھنڈ بنا کر اڑ جاتیں ،کبھی ایک ساتھ آ ٹپکتیں ،لمبا چوڑا آنگن تھا، کچھ اس میں سے امرود پر اور زیادہ تر گھنے شہتوت کی مختلف شاخوں پر پھدکتی رہتی تھیں، اسی کے ساتھ شام اور صبح کو ان کا تیز تیز آواز میں چہچہانا بلکہ اللہ تعالی کی حمد وثنا اور تسبیح میں مشغول رہنا اتنا اچھا لگتا تھا کہ ”کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست“ دل بے اختیار ادھر کھنچا جاتا تھا۔ جب آنگن دو جگہ ہوگیا، پیڑ کاٹ دیے گئے تب مجبورا انھوں نے اس آنگن کو چھوڑ کر کہیں اور اپنا مسکن بنالیا اور اس طرح ہم اپنے قریبی ساتھی سے دور ہوگئے، ان کی چہچہاہٹ سے دور ہوگئے، ان کی تسبیح وحمد سے دور ہوگئے ، گویا اللہ کی رحمت انہی کے ساتھ کہیں اور منتقل ہوگئی۔

اسی دوران ایک رات (شاید یہ 1968 کی بات اور رات ہو)، سخت آندھی اور بارش ہوئی، بارش کے بعد رات ہی میں بہت بہت بڑے اولے گرے، کچے مکانوں کی منڈیریں ٹوٹ گئیں، بہت سے درخت گر گئے، اولے کے بڑے بڑے گولے سے شہتوت کا درخت اور اس پر بیٹھی ہوئی چڑیائیں محفوظ نہ رہ سکیں، رات کے اندھیرے میں وہ کہاں جاتیں، سیکڑوں گوریائیں ان اولوں کی سخت مار سے مرکر زمین پر گر گئیں، ایسا لگتا تھا جیسے شہتوت کی کالی کالی پھلیاں درخت کے نیچے پھیلی پڑی ہیں، انھیں دیکھ کر بہت ترس آیا، کہ نہ وہ اپنا بچاؤ کرسکیں، نہ ہم ان کی کوئی مدد کرسکے اور ان میں سے نہ جانے کتنی بیک وقت قدرتی مار کی وجہ سے فوت ہوگئیں۔

نیا مکان بنا تو چھوٹے سے آنگن پر لوہے کی چادر تان دی گئی، اب ان کے راستے ہی بند ہوگئے، مگر کبھی کبھی انھیں جالیوں سے اتر کر کچھ گوریا کیڑے مکوڑے کی تلاش میں آنگن میں آجاتی ہیں تو لگتا ہے کہ انہی پرانی چڑیوں میں سے کوئی ایک ہوگی جس نے برسوں پہلے اس آنگن میں رات دن کا بسیرا بنایا ہوا تھا، اس سال تو ان کے ایک جوڑے نے گھر کے ایک سوراخ میں انڈا بچہ بھی کیا تھا، مگر کوئی درخت آنگن میں نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مستقل بسیرا نہیں رہ گیا اور اس طرح ہم ان کی دعاؤں، ان کی نغمہ طرازیوں سے ایک دم محروم ہوگئے۔ ناظر صدیقی نے ایک شعر میں کہا ہے۔

شاخ پہ چڑیا گاتی ہے
جو کچھ ہے لحاتی ہے

کبھی کبھی پتنگوں کی مضبوط ڈور بھی ان چڑیوں کی زندگی کا خاتمہ کردیتی ہے۔ مرتضی اشعر کا ایک شعر ہے۔

ڈور سے اڑتی چڑیا کا پر کٹ گیا
شام ہونے سے پہلے سفر کٹ گیا

ماہرین کہتے ہیں، جیسا کہ ہمارے ایک سائنس داں ساتھی ایس ایس سکندر، جو ابھی لاک ڈاؤن، مئی 2020 کے دوران اللہ کو پیارے ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ 1980 سے گوریا دنیا کے بیشتر علاقوں سے غائب ہونا شروع ہوگئی، ماہرین طیور نے دنیا کے کئی مقامات کا سروے کرکے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ چڑیوں کی تعداد میں یہ ڈرامائی گراوٹ ایک دکھ بھری حقیقت ہے، اوراس صورت حال کے ذمے دارعوامل ذیل کے مطابق ہیں: چڑیوں کوگھونسلہ بنانے کے لیے جگہ نہ ملنا۔ غذا کی کمی یا بالکل غذا کا نہ ملنا۔ کھیتوں کھلیانوں میں فصلوں پر زہریلی دواؤں کا چھڑکاؤ۔ انسانوں کے طرز زندگی میں تیز رفتار تبدیلی۔ انسانوں کی آبادی میں بے تحاشہ اضافہ۔ موبائل فون کے ٹاوروں سے برق مقناطیسی شعاعیں۔ چڑیوں کو لاحق ہونے والی بیماریاں۔ ماہنامہ سائنس۔ نئی دہلی۔

حالانکہ یہ چڑیا نباتاتی اور حیوانی دونوں طرح کی غذاؤں پر اپنا گزر بسر کرتی ہے، اور تمام پرندوں کی طرح اپنے رزق کی تلاش میں مشغول رہتی ہے، اور ان کی زندگی تین سال سے لے کر تقریباً 13 سال تک رہتی ہے، مگر مختلف وجوہات کی بنا پر ان کی تعداد میں بہت کمی دیکھنے کو ملتی ہے۔

بہت سے میدانی علاقوں کی دھول والی مٹیوں میں ان چڑیوں کو دھول اور مٹی میں غسل کرتے دیکھا جاتا ہے، یہ عمل کئی چڑیا ایک ساتھ مل کر کرتی ہیں، کیونکہ ان کے پروں میں تیل اور چکنائی کے کچھ اضافی جراثیم مل جاتے ہیں، جس سے صفائی کے لیے وہ اپنے جسم اور پروں کو مٹیوں میں رگڑ کر صاف کرتی ہیں۔ اس عمل سے ان کے جسمانی جراثیم صاف ہوجایا کرتے ہیں۔ ان گوریاؤں کی بھی بہت سی قسمیں ہیں، لیکن تمام قسموں میں نر کا رنگ بہ نسبت مادہ کے شوخ، تیز اور رنگین ہوتا ہے۔ ان تمام اقسام کی چڑیوں میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ ہے کہ وہ انسانوں سے بہت قریب رہنا اور گھریلو زندگی گزارنا پسند کرتی ہیں۔ انسانوں میں رہنا ان کو پسند ہے۔

ان کی روز بروز گھٹتی ہوئی تعداد کے پیش نظر '20 مارچ کو عالمی یوم گوریا' منا کر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ انسانوں کی دوست ان چڑیا کو پنپنے اور پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرنا چاہیے۔ تاکہ ماضی کی طرح یہ اب بھی گاؤں گھر اور گھر آنگن میں رہنے کو ترجیح دیں اور ان کی چہچہاٹوں سے ہم صبح و شام محظوظ ہوسکیں۔ سکندر مرحوم کے بقول ''یوم چڑیا منانے کا خاص مقصد فطرت میں موجود حیاتی تنوع کو تحفظ مہیا کرنا ہے۔ تاکہ فطرت کی خوبصورتی اور افادیت ہمیشہ بنی رہے۔ اس مہم میں سب سے اہم قدم چڑیوں کے لیے رہائش کا انتظام کرنا ہے۔ لکڑی کے ڈبے، اور جوتوں کے خالی ڈبے گھر کے باہر دیواروں پر آویزاں کرکے اور مٹی کے برتنوں کو مناسب جگہوں پر ہم چڑیوں کی رہائش کا انتظام کرسکتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کی آبادی میں اضافہ ہوگا''۔ حوالۂ بالا۔

ان گھریلو چڑیوں میں اجتماعیت کا مظاہرہ بہت پایا جاتا ہے، وہ کبوتروں کی طرح غول بنا کر اپنی رہائشی بستی کے اوپر اور اس کے ارد گرد صبح اور شام کے وقت جھنڈ بنا کر اڑتی رہتی ہیں اور لہروں کی طرح اپنی اڑان کے ذریعے فضا میں جادو بکھیرتی رہتی ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مارچ میں 'یوم گوریا' منا کر قدرت کی جانب سے عطا کی گئی اس نعمت کی قدر کریں، انھیں آزادی کے ساتھ جینے اور خوشی کے ساتھ چہچہانے اور فضاؤں میں اڑنے کا موقع فراہم کریں۔

■

Maulana Ansar Ahmad Maroofi
Baluwa, Po.: Kurthi, Jafarpur- 275305
Distt.: Mau (UP)
Mob.: 8853214848

سیدہ نوشاد بیگم محمود

کچھ اس طرح بنو کہ زمانہ مثال دے

بچو! آپ چاہے محنت مزدوری کریں۔ ملازمت کریں یا تجارت کریں، آپ چاہے کتنے ہی اونچے مقام پر کیوں نہ پہنچ جائیں۔ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلیں لیکن ایک بات کبھی فراموش نہیں کرنا کہ خود کے ساتھ اپنے اہل خانہ اور سماج کی بھلائی کا بھی خیال رکھنا۔ تاکہ لوگ آپ کے حسنِ سلوک کو یاد رکھیں۔ یہی بات آپ کو ہر دلعزیز بنا سکتی ہے۔

اکیلے پار اتر جانا تو کوئی بات نہیں
کمال تب ہے کشتی کو بھی بھنور سے بچالیں

ایک مثال دیکھتے ہیں۔ ایک قدرتی منظر والا دلکش چھوٹا سا گاؤں تھا۔ گاؤں کے باہر پاس کے حصے سے ایک چھوٹی ندی بہہ رہی تھی۔ گاؤں چونکہ راستے پر ہی پڑتا تھا۔ اس لیے کئی خوبصورت نظاروں کے شوقین لوگ وہاں ضرور جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک عالم وفاضل صبح سویرے وہاں سے گزر رہے تھے۔ تب ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ قریب ہی کئی افراد پتھر توڑنے اور اینٹ سیمنٹ کا کام کررہے ہیں۔ ان کے دل میں تجسّس پیدا ہوا۔ اس لیے انھوں نے ایک مزدور سے پوچھا آپ کیا کررہے ہیں؟ اس بات کا مزدور نے خفگی آمیز جواب دیا۔ آپ کو دکھائی نہیں دیتا کہ میں ریت اور سیمنٹ کو چلا رہا ہوں۔ مزدور کا جواب سن کر تھوڑا انہیں برا محسوس ہوا۔ لیکن وہ آگے بڑھ گئے اور وہی سوال دوسرے مزدور سے پوچھا؟ اُس مزدور نے جواب دیا کہ میں اپنے لیے اور خاندان کی روزی روٹی کا انتظام کرنے کے لیے پتھر توڑنے کا کام کررہا ہوں۔ اس جواب سے وہ تھوڑے مطمئن ہوگئے اور سوچنے لگے اتنا محدود مقصد رکھتے ہوئے یہ افراد کام کرتے ہیں کیا؟ پھر انھوں نے تیسرے مزدور سے جاکر وہی سوال دہرایا، آپ کیا کررہے ہیں؟ اس مزدور نے کہا محترم! ہم ہمارے محلے کے لوگوں کی

سہولت کے لیے یہاں ایک مسجد تعمیر کر رہے ہیں اور اُس کے لیے سیمنٹ، کانکریٹ کا آمیزہ بنا رہے ہیں۔

اس عالم شخص کو یہ جواب سن کر بہت خوشی ہوئی۔ اور وہ بڑے پُرمسرّت ہوکر آگے بڑھ گئے۔ اب ہم ان تینوں مزدوروں کے دیے ہوئے جوابات اور اُن کی ذہانت اور کام کو انجام دینے کا مقصد سمجھتے ہیں کہ پہلا شخص اُس کام کو محنت مزدوری سمجھ کر کررہا تھا۔ اس لیے وہ اس کام سے بیزار ہوچکا تھا۔ اسے آنکھوں کے سامنے اینٹ اور سیمنٹ ہی دکھائی دے رہے تھے۔ دوسرا مزدور کام اپنے خاندان کی روزی روٹی کے لیے کررہا تھا۔ کام کے بعد بڑی خوشی سے اپنے گھر واپس جاتا ہوگا اور اس کے اہل خانہ بھی اسے اتنی ہی خوشی سے پیش آتے ہوں گے۔ لیکن تیسرے شخص کا مقصد بہت اعلیٰ تھا۔ اسے کام کے مقام پر، گھر پر، معاشرے کی بھلائی کا خیال تھا۔ کام کے بدلے اُسے پیسے تو مل رہے تھے لیکن اس کا مقصد اسے عظیم بنا رہا تھا۔ جس سے اس کی زندگی میں خوشی ہی خوشی تھی۔ ہم جس کام کو انجام دیتے ہیں اُس میں ہماری جسمانی ذہنی اور جذباتی شراکت داری بھی ہونی ضروری ہے۔ اُسے اس بات کا خیال تھا کہ مجھے، میرے خاندان کو اور سماج کو اس کام سے کتنا فائدہ ملے گا۔

کام انجام دو لیکن مقصد اعلیٰ رکھو تاکہ لوگ آپ کو یاد رکھیں۔ جیسے دشرتھ مانجھی نے تنہا ایک پہاڑ کو کاٹ کر گاؤں والوں کے لیے راستہ بنایا تھا۔ لوگ راستوں میں یارہ گزر پر پانی کے نل لگواتے ہیں۔ بیٹھنے کے لیے بینچ کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ سب کیوں کرتے ہیں معاشرے کے لوگوں کی بھلائی کے لیے۔

بہت ہی خلوص اور پیار کے ساتھ اپنے اردگرد رہنے والے انسانوں پر اپنے خلوص اور پیار کی شبیہ نقش کرنے کی کوشش کیجیے۔ انگریزی کی ایک کہاوت ہے کہ پانی میں ڈالی ہوئی روٹی دوبارہ ہماری جانب لوٹ کر آتی ہے۔ ہم تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ نیکی کر دریا میں ڈال۔ لیکن اُس نیکی کا صلہ آپ کو کسی نہ کسی صورت میں مل کر ہی رہے گا۔ ہمارا انجام دیا ہوا کام یقیناً ہماری جانب لوٹ کر آتا ہے۔ اسلام کا ایک خاص اور بہترین اصول ہے کہ تم کسی کو ایک گُنا دوگے اللہ تعالیٰ تمھیں 70 گُنا واپس کرے گا۔ ہمیں خدا نے یہ زندگی اس لیے دی ہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کریں۔ زندگی ایک صدائے بازگشت کی طرح ہی ہے۔ ہم جو بولتے ہیں وہی ہمیں سنائی دیتا ہے۔ ہم جو بوتے ہیں وہی اُگتا ہے۔ اس لیے پیارے، بچو! اپنی اچھائیوں کو بانٹتے رہیے، دیتے رہیے۔ کیونکہ نیکی لوٹ کر آتی ہے۔

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

بچو! نئی تحقیقات سے اس بات کا انکشاف ہوچکا ہے کہ انسان کے حُسن سلوک، اچھائی اور بے غرض کی عادت یہ بتاتی ہے کہ ایسے لوگ اپنے نیک سلوک اور اچھے برتاؤ سے اپنے تناؤ کو کم کرکے زیادہ خوش رہتے ہیں۔ اُن کے آپسی تعلقات صحیح ہوتے ہیں۔ دل کی بیماریوں کے خطرات کم ہوئے ہیں۔ زندگی کے مشکل واقعات کا سامنا کرنے کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات اخلاقی اور مثالی ہوتے ہیں۔ ملی ہے گر زندگی تو مثال بن کر دکھائے۔

ملی ہے گر زندگی تو بے مثال بن کر دکھاؤ
اپنے اخلاق سے زندگی روشن کر دکھاؤ

■

Syeda Naushad Begum Mahmood
Shri Darshan Apts
B-203, Mumbai Pune Road
Shastri Nagar, Kalwa
Distt.: Thane - 400605 (Maharashtra)
Mob.: 9867650210

طفیل احمد مصباحی

کامیابی کی تین سیڑھی

کامیابی ایک ایسا خواب ہے جو ہر انسان دیکھتا ہے، لیکن اس کے مطالبات اور تقاضوں کو پورا کرنا نہیں چاہتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خواب ہمیشہ خواب ہی رہ جاتا ہے، کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پاتا۔ کامیابی چاہے دنیا کی ہو یا آخرت کی، اچھے عمل پر موقوف ہے۔ قرآن مقدس نے 'عظیم کامیابی' کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت فرماں برداری کو ضروری قرار دیا ہے اور اطاعت و پیروی کے لیے عمل (مشکل کام اور سخت محنت) ضروری ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کے لیے عمل یعنی محنت و مشقت کرنا اور مسلسل کام کرتے رہنا ضروری ہے۔ جہاں عمل ہوگا، وہاں کامیابی اور ترقی بھی ہوگی۔ عمل نہیں تو کامیابی نہیں۔ محنت نہیں تو مزدوری نہیں۔ انگریزی کی مشہور کہاوت ہے No Gain, No Pain: یعنی سیوا (کام / خدمت) نہیں تو میوہ نہیں۔ زندگی مشکلوں اور چیلنجوں سے بھری پڑی ہے۔ جس کے اندر مشکلات سے لڑنے اور چیلنجوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے، وہی زندگی کے میدان میں فتح و نصرت اور کامیابی کا جھنڈا لہراتا ہے۔ زندگی میں عمل، کام اور محنت و مشقت کتنی ضروری ہے، اس کا اندازہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے جسے انھوں نے اپنے رسالہ 'ایہا الولد' میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اے میرے بیٹے! نیک اعمال اور مناسب احوال سے غافل مت رہو اور اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ (عمل کو چھوڑ کر) محض علم تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھو کہ اگر ایک شخص جنگل میں ہو، اس کے پاس دوسرے ہتھیاروں کے علاوہ دس ہندوستانی تلوار ہو اور وہ شخص بہادر اور جنگ جو بھی ہو اور ایسے میں اچانک اس پر ایک خطرناک شیر حملہ کر دے تو اب تم ہی بتاؤ کہ یہ ہتھیار استعمال کیے بغیر وہ شخص شیر کے حملے سے بچ سکتا ہے؟ (نہیں ہرگز نہیں) اور تم یہ بات بخوبی جانتے ہو کہ وہ بہادر آدمی ہتھیار کو استعمال کیے بغیر اس حملے سے خود کو نہیں بچا سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک لاکھ علمی مسائل پڑھ کر ان کو اچھی طرح جان لے

اوران پر عمل نہ کرے تو یہ علمی مسائل اس کو کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ اس بات کو اس مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص کو حرارت (بخار) اور صفرا (یرقان) کی بیماری ہو اور اس کا علاج سکنجبین (سرکہ یا لیموں کے عرق سے پکایا ہوا شربت) اور کشکاب (جَو کا پانی) میں ہے، تو اس کا علاج ان دواؤں کے استعمال ہی سے ہو سکتا ہے۔ (یعنی صرف ان دواؤں کا موجود ہونا علاج اور شفا کے لیے کافی نہیں۔ اسی طرح علم کا فائدہ اس کے استعمال یعنی اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے)

عزیز بچو! اور مخلص ساتھیو! جس طرح چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح بلندی پر فائز ہونے اور بلند مقام حاصل کرنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ عمل اور محنت کے بغیر تم کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ محنت سے نہ گھبراؤ اور کام سے کبھی جی نہ چراؤ، کام کرتے رہو۔ ان شاء اللہ! ایک نہ ایک دن کامیابی ضرور تمھارے قدموں کو چومے گی۔ اپنے وقت کے مشہور عالم اور ولی صفت انسان حضور حافظِ ملت اکثر فرمایا کرتے تھے: ”زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام۔“ زمین کے اوپر اتنا کام کرو اور اتنا اچھا کام کرو کہ مرنے کے بعد آرام سے چین کی نیند سو سکو اور دنیا تمھارے کاموں اور کارناموں کو یاد کر کے تمھیں سَیلوٹ (Salute) کرے۔ کام کی نوعیت چاہے جو بھی ہو۔ تم جس میدان میں بھی کام کر رہے ہو اور جو بھی کام تم سے متعلق ہے، اسے پوری محنت اور دل جمعی کے ساتھ کرو۔ کامیابی ایک منزل ہے اور ترقی، بلندی کا دوسرا نام ہے۔ کامیابی کی کنجی، محنت و مشقت اور کام ہے۔ محنت کی کنجی اپنے ہاتھوں میں لیے بغیر تم کامیابی کے بند دروازے نہیں کھول سکتے۔ کامیابی کی تین سیڑھیاں ہیں، ان کو طے کیے بغیر تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کہتے ہیں کہ ”محنت اتنی خاموشی کے ساتھ کرو کہ کامیابی شور مچانے لگے۔“ محنت خاموشی کے ساتھ ہو یا کھلم کھلا، بس محنت ہونی چاہیے تاکہ کامیابی ہمارا استقبال کر سکے۔ کامیابی کی تین سیڑھیاں ہیں، جو لوگ ان سیڑھیوں کو عبور کر لیتے ہیں، وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ کامیابی کی ان تین سیڑھیوں کے نام یہ ہیں: (1) محنت اور کام (2) ایمان داری (3) ہنر۔ محنت، ایمان داری اور ہنر کی دولت جس کے پاس ہو، اس کو کامیاب ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ کسی زندہ دل اور مفکر انسان نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ ”محنت، ایمان داری اور ہنر، ان تینوں کو باہم جوڑا جائے تو ان کا حاصلِ ضرب ترقی اور کامیابی بنتا ہے۔“

(1) عمل/کام

عمل/کام (Work) محنت و مشقت اور جد و جہد (Struggle) ساری کامیابیوں کی جڑ ہے۔ محنت اور عمل کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔ محنت ہر بند دروازے کو کھول دیتی ہے۔ قرآن مقدس میں ہے کہ ”انسان کے لیے وہی ہے جس کی وہ کوشش کرے۔“ علم کے لیے عمل ضروری ہے اور عمل کے لیے ایمان داری و دیانت داری لازم ہے۔ ورنہ علم اور عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ محنت، عمل، خلوص اور ایمان داری کے بغیر اگر تھوڑی بہت کامیابی مل بھی جائے تو اس کی برکت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کامیابی دیرپا ثابت نہیں ہوتی۔

(2) ایمان داری

ایمان داری (Honesty) کا سادہ اور عام فہم مطلب یہ ہے کہ کسی بھی کام کو (چاہے وہ مذہبی کام ہو یا دنیاوی کام) نہایت خلوص، خندہ پیشانی اور پوری دیانت داری کے ساتھ انجام دیا جائے۔ ایمان داری ایک ایسی خوبی ہے جو بہت ساری خوبیوں کو جنم دیتی ہے۔ ایمان دار شخص اپنے فرائض اور

ذمے داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتا ہے۔ ایماندار بندہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، کسی کا دل نہیں دکھاتا۔ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ وہ ہمیشہ ہر حال میں انسانیت کی خدمت کو ترجیح دیتا ہے اور ملک و معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ ایمان دار شخص کو سماج میں بھی عزت ملتی ہے اور اس کا مذہب بھی اسے عزت وتوقیر کی سند فراہم کرتا ہے۔ غرض کہ ایمان داری ہر قسم کی دینی و دنیاوی کامیابیوں کی سیڑھی ہے، جس پر چل کر انسان کامیابی اور ترقی کے آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔

(3) ہنر یا ہنر مندی

کامیابی کی تیسری سیڑھی ہنر (Skill) ہے۔ محنت، عمل اور ایمان داری کے ساتھ ہنر سیکھنا بھی ضروری ہے۔ ہمارے بڑوں اور بزرگوں کا کہنا ہے کہ اپنے بچوں کو روایتی علم وتعلیم کے علاوہ کوئی نہ کوئی ہنر ضرور سکھاؤ۔ کیونکہ بچے کو اگر صرف علم سکھاؤ گے تو وہ علم بیچ کر کھائے گا۔ صرف دینی تعلیم دوگے تو وہ دین بیچ کر دنیا کمانے کی کوشش کرے گا اور ہنر سکھاؤ گے تو وہ اپنے ہنر کا بہتر سے بہتر استعمال کر کے روزی روٹی کمائے گا اور خوش گوار زندگی کی بنیاد رکھے گا۔ ہنر کی اہمیت کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ صرف ونحو کا ایک بڑا عالم کشتی میں سوار ہو کر سفر کر رہا تھا۔ دورانِ سفر اس نے ملاح سے پوچھا کہ تم صرف ونحو سے کچھ واقفیت رکھتے ہو۔ ملاح نے جواب دیا کہ نہیں، مجھے صرف ونحو کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں۔ اس پر عالم نے افسوس کے ساتھ کہا کہ تم نے اپنی آدھی زندگی گنوا دی۔ اس پر ملاح خاموشی سے کشتی چلاتا رہا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد دریا میں اچانک طوفان آیا۔ کشتی بری طرح

ڈولنے لگی۔ اس وقت عالم شخص کا خوف کے مارے برا حال ہو گیا۔ اب ملاح نے اس سے پوچھا: تمھیں تیرا کی آتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، میں تیرنا نہیں جانتا۔ عالم کی یہ بات سن کر ملاح نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ تم نے اپنی ساری زندگی گنوا دی۔ اتنے میں کشتی الٹ گئی، ملاح جسے عالم شخص جاہل کہہ رہا تھا، وہ تیرتا ہوا کنارے پر پہنچ گیا اور اپنے آپ کو عالم سمجھنے والا علم کا ماہر اپنی بے ہنری کی وجہ سے دریا میں ڈوب گیا۔ غرض کہ صرف روایتی تعلیم سے کچھ نہیں ہوتا۔ علم کے ساتھ ساتھ زندگی میں کوئی ہنر بھی سیکھنا چاہیے۔

ایک پروفیسر صاحب کسی یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔ یونیورسٹی کے قریب ہی ان کی رہائش گاہ تھی، جہاں وہ اپنے بال بچوں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ یونیورسٹی کے مقررہ اوقات کے علاوہ بھی وہ اپنے ہونہار شاگردوں اور محلے کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ وہ بڑے نیک آدمی تھے۔ یونیورسٹی اور محلے کے لوگ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ گھر کے قریب ہونے کی وجہ سے وہ اکثر پیدل ہی یونیورسٹی جایا کرتے تھے۔ راستے میں ایک موچی کی دکان تھی، جس سے وہ اپنے جوتے پالش کروایا کرتے تھے۔ موچی اگر چہ غریب آدمی تھا، لیکن مہذب اور سنسکاری تھا۔ علم کی دولت سے محروم تھا، لیکن علم کی قدر و قیمت سے واقف تھا۔ وہ پروفیسر صاحب کی بڑی عزت کرتا تھا اور ان کے جوتے اچھے سے پالش کرتا تھا۔ ایک دن اس موچی نے پروفیسر صاحب سے سوال کیا کہ سر! کامیابی کیا چیز ہے اور زندگی میں کامیابی کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟ یہ سوال سن کر پروفیسر صاحب بہت خوش ہوئے اور موچی کو تجسس بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے! میاں! کامیابی بہت بڑی چیز ہے۔ یہ زندگی اس لیے دی گئی ہے کہ ہم اسے کامیابی کے ساتھ گذاریں۔ کامیاب زندگی ایک بڑی نعمت ہے، جو ہر ایک کو میسر نہیں ہوتی۔ کامیابی اس حالت یا کیفیت کا نام ہے جس میں انسان محنت و مشقت کے ذریعے کسی مطلوبہ نتیجے تک پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک طالب علم خوب محنت کر کے امتحان میں اچھے نمبرات حاصل کرتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ ایک کرکٹ ٹیم اپنے مدِ مقابل کو ہرا کر جیت کی شکل میں کامیاب ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگ مختلف تعلیمی مرحلے طے کر کے اعلیٰ ڈگری یا ملازمت میں بڑے عہدے پا کر کامیابی اپنے نام کرتے ہیں۔ گویا محنت کے صلے میں ملنے والے نتیجے کو 'کامیابی' کہا جاتا ہے۔ جو لوگ زندگی میں کامیابی حاصل کرتے ہیں، اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ شروع سے محنتی اور جفاکش تھے۔ اگر وہ محنتی نہ ہوتے تو کامیابی ان کے حصے میں نہیں آتی۔ غرض کہ کامیابی کی مختلف شکلیں ہیں اور ہر ایک کے پیچھے سخت کوشش، جد و جہد اور محنت و مشقت پوشیدہ ہے۔ زندگی کے کسی بھی شعبے میں کامیاب ہونے کے لیے تین سیڑھیوں کو عبور کرنا ضروری ہے اور وہ ہے: محنت، ایمان داری، ہنر مندی۔ جو شخص اپنے کاموں کے تئیں بیدار ہو اور بہت زیادہ محنت کرنے کا عادی ہو، وہ کامیابی کا تیس فیصد (30%) حقدار ہے۔ پچاس فیصد (50%) کامیابی ایمانداری میں پوشیدہ ہے اور بیس فیصد (20%) کامیابی ہنر یا ہنر مندی میں ہے۔ گویا جس شخص کے اندر یہ تینوں خوبیاں موجود ہوں، وہ دنیا کا کامیاب ترین انسان ہے، اسے کامیابی سے کوئی روک نہیں سکتا۔ بس غور و فکر اور میدانِ عمل میں آنے کی ضرورت ہے۔

■

Md Tufail Ahmad Misbahi
Vill & Post: Shobhanpur Katoriya
Via: Amarpur, Distt.: Banka - 813101 (Bihar)
Mob.: 8416960925

برج لال رعنا

عجب ہے ارض و سما پر بہار ہولی میں

ہر ایک پھول ہوا رنگ بار ہولی میں
ہر ایک شاخ ہے صورت نگار ہولی میں
گلوں سے موج شفق رنگ کھیلنے آئی
عجب ہے ارض و سما پر بہار ہولی میں
وہ سرخ پوش گلستاں میں رنگ کھیلا ہے
گل و سمن پہ ہے طرفہ نکھار ہولی میں
ہر ایک چیز سے رنگ وفا ٹپکتا ہے
شہید عشق کی ہے یادگار ہولی میں
کچھ اس طرح سے ہوئی گل پہ شبنم افشانی
قبائے گل ہے جواہر نگار ہولی میں
جدھر نگاہ اٹھی سرخیاں نظر آئیں
ہر ایک شے ہے فسانہ نگار ہولی میں
ہے کائنات میں جوش نمو کی جنبش سے
ہر ایک ذرہ کا دل بے قرار ہولی میں
قدم کے نیچے ہے فرش زمردیں رعنا
ہے سر پہ سایۂ ابر بہار ہولی میں

■

بشکریہ: ریختہ ڈاٹ کام

راشد اعظمی

کتنے رنگوں کا ہوگا آج ملن

ہم تو ہولی کے انتظار میں تھے
وہ مزے لائی جو بہار میں تھے
کتنے رنگوں کا ہوگا آج ملن
سب نکل آئے جو بازار میں تھے
ہم کو ہولی سے کیوں عقیدت ہے
اس کا ہر رنگ رنگِ الفت ہے
کیوں دمکتے ہیں سب کے عارض و گال
دوستوں نے مَلے ہیں دل سے گلال
شور و غل ہاؤ ہو دہائی ہے
رنگ میں ہر گلی نہائی ہے
ہولی تجدید پیار ہوتی ہے
زندگی گلعذار ہوتی ہے
سات رنگوں کی اک دھنک سی ہے
یہ فضاؤں میں جو چمک سی ہے

کاش رنگین زندگی ہوجائے
پیار کے رنگ میں دنیا کھوجائے
ہر تصور دوئی کا مٹ جائے
سنگ رستے سے پیار کے ہٹ جائے
جب نظر سے نظر ملے کوئی
پیار کی جب کلی کھلے کوئی
روش گلستاں مہک جائے
ساغرِ دل چھلک جائے
میکشوں میں خمار الفت ہو
آسماں! سب پہ تیری رحمت ہو

■

Rashid Azmi
M-109, Gulmarg Apts, First Floor, Back Side
Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025

ہولی اور ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب

ہمارا ملک ہندوستان مختلف ثقافتوں اور تہذیبوں کا ملک ہے۔ یہاں ان گنت روایات ونظریات کے لوگ قدیم زمانے سے ہی آباد ہیں۔ ہمارے ملک ہندوستان میں بہت سے مذاہب بھی پائے جاتے ہیں۔ کچھ مذاہب یہاں باہر سے آئے اور کئی مذاہب کی شروعات یہیں سے ہوئی۔ لیکن ان تمام مذاہب اور تہذیبوں کے لوگ باہم مل جل کر رہتے ہیں، ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، ایک دوسرے کے غم میں شریک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی خوشیوں میں بھی حصہ لیتے ہیں، یہاں تک کہ مختلف مذہبی رسومات اور تہواروں میں بھی شرکت کر کے اخوت وبھائی چارگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب وکلچر ہی کی دین ہے کہ یہاں سبھی مذہبی تہواروں کو زبردست مقبولیت حاصل ہے۔ جیسا کہ بلاتفریق مذہب و ملت یہاں کے بہت سے لوگ دیوالی، دسہرہ، ہولی، رام نومی، عید، گرونانک جینتی اور کرسمس وغیرہ فراخدلی کے ساتھ مناتے ہیں اور ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کو فروغ دیتے ہیں۔

جن تہواروں کو ہندوستان میں بہت شوق اور اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے، ان میں ایک ہولی بھی ہے۔ اس تہوار میں حصہ لینے والے تمام لوگ ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں، نہ ان میں کوئی چھوٹا نظر آتا ہے نہ بڑا، نہ امیر نہ غریب، نہ مالدار نہ فقیر۔ سب رنگوں میں رنگے ہوتے ہیں، سب ایک دوسرے کے اوپر رنگ پھینک رہے ہوتے ہیں، سب اس موقعے پر مختلف قسم کی مٹھائیاں کھا رہے ہوتے ہیں۔ گویا کہ اس تہوار میں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں نظر آتی ہیں، ہر طرف رنگ ہی رنگ بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، اسی لیے اس تہوار کو رنگوں اور خوشیوں کا تہوار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ہر سال موسم بہار میں مکمل چاند کی شام سے شروع ہوتا ہے۔

ہندوستان کے مختلف خطوں میں ہولی کے متعلق مختلف باتیں اور کہانیاں مشہور ہیں۔ جیسا کہ ہولیکا اور پرہلاد کی کہانی۔ اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ برائی پر اچھائی کی جیت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہولی سے ایک رات پہلے لوگ الاؤ جلا کر اس واقعے کو یاد کرتے ہیں، بالفاظ دیگر اس واقعے کی یاد میں الاؤ جلائے جاتے ہیں۔ اگلے دن صبح سے ہی ہر چہار

جانب رنگوں کی برسات ہونے لگتی ہے۔جن لوگوں کے اوپر رنگ ڈالے جاتے ہیں ان میں جانے پہچانے لوگ بھی ہوتے ہیں اور انجانے لوگ بھی۔اسی لیے رنگ ڈالتے وقت عام طور پر یہ جملہ لوگوں کی زبانوں پر جاری رہتا ہے ’’ برا نہ مانو ہولی ہے‘‘۔ہولی کے دنوں میں چونکہ ہر طرف رنگوں کی برسات ہوتی ہے اور رنگوں کا ایک ماحول بنا ہوا ہوتا ہے، اس لیے برا ماننے کی بجائے لوگ اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کپڑوں کے رنگ جانے پر فخر محسوس کرتے ہیں، اسی لیے ہر جگہ لوگ رنگے بالوں، رنگے کپڑوں اور رنگے چہروں میں گھومتے پھرتے، اچھلتے کودتے اور گاتے بجاتے دکھائی دیتے ہیں۔

ہولی کھیلنے میں عورتیں بھی کسی سے پیچھے دکھائی نہیں دیتیں۔وہ رنگ ڈالنے اور چھڑکنے میں، گانے اور بجانے میں پوری دلچسپی لیتی ہیں۔یعنی جس طرح رنگ برسا کر مرد لطف اندوز ہوتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی رنگوں کی ہولی کھیل کر خوب محظوظ ہوتی ہیں۔اگر بچوں کی بات کریں تو اس موقعے پر بچوں کی خوشی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں رہتی، وہ تو ہفتوں پہلے سے ہی ہولی کھیلنے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ رنگ چھڑکنے والی پچکاریاں خرید کر لاتے ہیں اور جب ہولی کے دن شروع ہوتے ہیں تو ان پچکاریوں سے رنگ برسانا شروع کر دیتے ہیں۔ بچے کود پھاند اور ناچ گانے میں بھی سب سے آگے ہوتے ہیں، وہ تو دن بھر اچھلتے کودتے ہی رہتے ہیں۔ بچوں کو ہولی کا تہوار بہت پسند ہے،اس موقعے پر انھیں اپنی خوشی کے اظہار کا بھرپور موقع ملتا ہے۔ ہولی کے دنوں میں طرح طرح کے پکوان بھی پکائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر کچھ میٹھی چیزیں تیار کی جاتی ہیں جنھیں رشتے داروں اور محلے داروں میں بانٹا بھی جاتا ہے۔ یہ عمل آپسی میل جول کو بڑھاتا ہے اور معاشرے کو محبت و بھائی چارگی کے بندھن میں باندھے رکھتا ہے۔

ہولی کے تہواروں میں عوام الناس کے لیے کئی پیغامات

موجود ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسانوں کے مابین بھائی چارہ قائم رہے، جس طرح مختلف رنگ مل کر ایک ہوجاتے ہیں، اسی طرح مختلف خیالات وطبقات کے لوگ بھی ایک ساتھ اس طرح رہیں کہ وہ ایک دکھائی دیں۔ان کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہ ہو، اونچ نیچ کا تصور اور چھوٹے بڑے کا امتیاز نہ ہو۔ہولی کا تہوار تمام لوگوں کو خوش رہنے کی دعوت بھی دیتا ہے کہ وہ خوش وخرم رہیں، ہنسیں، مسکرائیں، گائیں، بجائیں اور کھیلیں کودیں۔اس دور میں جب کہ لوگ بے شمار قسم کی الجھنوں میں گرفتار ہیں، ان گنت افکار اور مسائل میں گھرے ہوئے ہیں، ڈپریشن کے شکار ہوکر بے خوابی اور بے چینی کی زندگی گزار رہے ہیں تو ہولی جیسے تہوار انھیں غموں کے سمندر سے باہر نکلنے، ان کے لبوں پر مسکراہٹ لانے، خوشی کے عالم میں اچھلنے کودنے کا شاندار موقع فراہم کرتے ہیں۔اگر ڈپریشن اور مختلف قسم کے غموں اور پریشانیوں کے شکار لوگ ہولی کے پیغام کو سمجھیں اور اپنی اس خوشی کو جو انھیں ہولی کے دنوں میں حاصل ہوتی ہے، آگے بھی برقرار رکھیں تو ان کی خوشیاں صرف ہولی کے چند ایام تک محدود نہ رہیں گی بلکہ دیگر دنوں اور مہینوں تک بھی ان کی خوشیوں کا دائرہ پھیل جائے گا، اور عین ممکن ہے کہ پھر وہ غم اور ٹینشن سے مستقل طور پر باہر آجائیں اور اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالیں کہ پریشانیاں آتی جاتی رہتی ہیں، اور آگے بھی یہ آتی جاتی رہیں گی، اس لیے ان سے متاثر ہوکر اپنی خوشیوں کو تیاگ نہیں دینا چاہیے اور فکر وغم کو اپنے ساتھ رکھ کر اپنی زندگی کو خراب نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ہولی کے موقعے پر لوگ اپنے غم وافکار کو بھول جاتے ہیں، ٹینشن اور پریشانی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور کھل کر ہنستے گاتے ہیں، اسی طرح عام دنوں میں بھی وہ خوش رہیں اور ہنستے گاتے رہیں۔

ہولی کا تہوار رشتوں کی بحالی کا بھی درس دیتا ہے۔یعنی رشتوں کو بہر حال قائم رکھنا چاہیے۔اگر وہ کسی وجہ سے ٹوٹ بھی جائیں تو انھیں پھر سے جوڑ لینا چاہیے۔جیسا کہ ہولی کے دنوں میں ٹوٹے رشتے بھی جڑ جاتے ہیں۔اس زمانے میں رشتوں کا قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔کیونکہ اس دور میں مادیت پرستی کو بہت زیادہ عروج حاصل ہے۔ ہر شخص اپنی ترقی وخوشی کے لیے اپنے مفادات کو عزیز اور مقدم رکھتا ہے اور دوسرے کے مفادات یہاں تک کہ حقوق کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے، جس کے باعث رشتوں میں کڑواہٹ آجاتی ہے اور قربتیں دوریوں میں، محبتیں نفرتوں میں تبدیل ہونے لگتی ہیں۔یقیناً یہ صورت حال پورے خاندان بلکہ معاشرے کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔اس لیے رشتوں کو جوڑنے پر خاص دھیان دینا چاہیے۔ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنے اور بحال رشتوں کو مزید مضبوط بنانے کے لیے ہولی کا موقع بہت کارآمد ثابت ہوسکتا ہے جس میں باہمی رنجشوں کو بھلا کر محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رنگ برسائے جاتے ہیں۔الغرض یہ کہ 'ہولی' ہندوستان کا ایک خوبصورت اور شاندار تہوار ہے جسے ملک بھر میں پوری آب وتاب کے ساتھ منایا جاتا ہے اور اس میں دوسرے مذاہب کے لوگ بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔اس طرح کے مواقع اور تہوار ہمارے ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔یہی گنگا جمنی تہذیب ہمارے ملک کے نام اور مقام کو بلندی عطا کرتی ہے۔

■

Mohd. Tauseef Raza
B49 Cristian Colony Near Mourice Nagar
Police Station
Patel Chest Nort Campus of Delhi
University of Delhi-110007

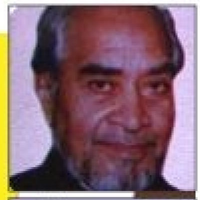

کوثر صدیقی

اک انقلاب لائیں

اک اینٹ تم بھی لاؤ اک اینٹ ہم بھی لائیں
پیار اور ایکتا کا، اونچا محل بنائیں
کچھ کر کے اب دکھائیں اک انقلاب لائیں

اک پیڑ تم اگاؤ، اک پیڑ ہم اگائیں
سکھ چین شانتی کا مل کے چمن لگائیں
خوشیوں کے گیت گائیں اک انقلاب لائیں

اک نہر تم بناؤ، اک نہر ہم بنائیں
اور ایکتا کا پانی اس نہر میں بہائیں
سب پیار سے نہائیں اک انقلاب لائیں

اک دیپ تم جلاؤ، اک دیپ ہم جلائیں
نفرت کی سب دلوں سے تاریکیاں مٹائیں
سب کو گلے لگائیں اک انقلاب لائیں

کھیتوں کو کھاد پانی، دے کے اناج اگائیں
کوئی رہے نہ بھوکا سب پیٹ بھر کے کھائیں
آؤ سویرا لائیں اک انقلاب لائیں

پچھڑوں کو ہم اٹھائیں، اگلی صفوں میں لائیں
سب کی ترقی کر کے، خوش حال انھیں بنائیں
اک صف میں سب کو لا کر اک انقلاب لائیں

بجلی کے کارخانے، آؤ نئے لگائیں
بجلی کی جو کمی ہے اس کو بھی اب مٹائیں
اندھیاروں کو مٹائیں، اک انقلاب لائیں

تعلیم ٹیکنیکل، سب بچوں کو دلائیں
تعلیم و تربیت سے ہر شخص کو سجائیں
بھارت نیا بنائیں، اک انقلاب لائیں

دنیا میں سب سے اونچا اس دیس کو اٹھائیں
کچھ سیکھنے کو ہم سے دنیا کے لوگ آئیں
دنیا کے بن کے رہبر اک انقلاب لائیں

امرت ہے ستیہ کا پھل، ہے زہر جھوٹ کا پھل
پھل ایکتا کا میٹھا، کڑوا ہے پھوٹ کا پھل
گیت ایکتا کے گائیں، اک انقلاب لائیں

■

Kausar Siddiqui
79-A, Ginnori
Main Road
Bhopal - 462001 (MP)
Mob.: 9926404171

قطعات

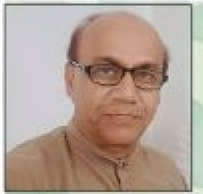

احمد کمال حشمی

شیر

جانور اور بھی ہیں دنیا میں　　شیر جو ہے وہ شیر ہوتا ہے
یونہی راجا نہیں ہے جنگل کا　　شیر سب سے دلیر ہوتا ہے

ہاتھی

جانور اور بھی ہیں دنیا میں　　صرف ہاتھی چنگھاڑ سکتا ہے
اتنی طاقت خدا نے دی ہے اسے　　وہ گھنے پیڑ اکھاڑ سکتا ہے

گھوڑا

جانور اور بھی ہیں دنیا میں　　تیز رفتار سب سے گھوڑا ہے
ٹک نہیں پاتا اس کے آگے کوئی　　اس نے ہر اک کو پیچھے چھوڑا ہے

زیبرا

جانور اور بھی ہیں دنیا میں　　تم نے دیکھا ہے ایسا اور کہیں
جسم پر دھاریاں غضب کی ہیں　　اس قدر کوئی دل فریب نہیں

کتا

جانور اور بھی ہیں دنیا میں　　سب میں ہوتی نہیں رواداری
جان دیتا ہے اپنے مالک پر　　اس کی مشہور ہے وفاداری

بلی

جانور اور بھی ہیں دنیا میں　　شیر کی خالہ بلی کہلائے
کالی ہو تو ڈراؤنی صورت　　گوری ہو تو ہر ایک کو بھائے

گدھا

جانور اور بھی ہیں دنیا میں　　پر گدھے کی عجیب قسمت ہے
اور بھی اس میں خوبیاں تو ہیں　　اس کی مشہور پر حماقت ہے

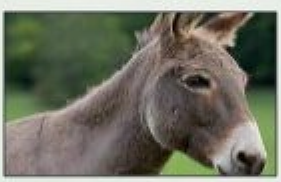

■

Ahmad Kamal Hashami
H/28/1, B.L. No.2
Kankinara-743126, W.B (India)
Mobile- 9433145485
Email- ahmadkamalhashami@gmail.com

محمد وزیر عالم

جھنجھنا

بچوں کا دل یہ خوب لبھاتا ہے جھنجھنا
بچوں میں اپنا رنگ جماتا ہے جھنجھنا

اپنا کمال ایسے دکھاتا ہے جھنجھنا
روتے ہوئے بچے کو ہنساتا ہے جھنجھنا

جاگے ہوئے بچے کو سلا دیتی ہے لوری
سوئے ہوئے بچے کو جگاتا ہے جھنجھنا

تکلیف سے جو کوئی پریشاں ہو شیر خوار
احساس درد اس کا بھلاتا ہے جھنجھنا

وہ خواب میں بھی کھیلتا ہے جھنجھنے کے ساتھ
بیدار ہو تو لے کے بجاتا ہے جھنجھنا

ہاتھوں سے اگر چھوٹ کے گر جائے زمیں پر
کوشش سے اپنی پھر وہ اٹھاتا ہے جھنجھنا

وہ جھنجھنے کو لیتا ہے اپنی گرفت میں
خوش ہو کے اپنے منہ میں لگاتا ہے جھنجھنا

بچے جو لینے جاتے ہیں میلے میں کھلونے
لاتا ہے کوئی کچھ کوئی لاتا ہے جھنجھنا

وہ سب اچھلتے کودتے آتے ہیں اپنے گھر
سیٹی کوئی تو کوئی بجاتا ہے جھنجھنا

■

Md Wazeer Alam
Madarsa Rahmatul Uloom
Naukatola P.O: Hardiya Via: Raxaul
East Champaran- 845305 (Bihar)
Mob.: 9534443838

مرزا منہاج الدین

پانی کی کہانی

پانی کی ہے ایک کہانی
جسے سناتی تھی مری نانی

پانی کا ہے بڑا ہی نام
آتا ہے یہ ڈھیروں کام

امی اس سے کھانا پکاتی
بڑے پیار سے ہمیں کھلاتی

خود بھی پیو اوروں کو پلاؤ
پیڑوں کو بھی خوب چکھاؤ

ٹھنڈک میں ہے یہ جم جاتا
گرمی میں بارش بن جاتا

پھر بارش میں خوب نہاتے
چھاتا بالکل ہی نہ لگاتے

نزلہ کھانسی جب ہو جاتا
تب حکیم کا خیال ہے آتا

صبح سویرے گھر پہ نہاؤ
بیماری کو دور بھگاؤ

بیماری میں ابلا پانی
پینا بتاتی میری نانی

پانی کی تھی یہی کہانی
جسے سناتی تھی مری نانی

■

Mirza Minhajuddin
Town - Phalawad
Meerut - 250401 (UP)
Mob.: 9897512270

پرویز مانوس

چاند پہ کرکٹ کھیلیں گے

کھیل تو کتنے سارے ہیں — ہم کو سارے پیارے ہیں
لیکن کرکٹ اچھا ہے — کھیلتا ہر اک بچہ ہے
اپنا بھی دل کرتا ہے — کرکٹ کا دم بھرتا ہے
لیکن ہیں لاچار بڑے — کمرے میں بیکار پڑے
کھیلنا اب آسان نہیں — ایک بھی اب میدان نہیں
کہاں کھیلنے جائیں ہم — کس کو حال سنائیں ہم
بھومی جو دی ہے رب نے — بانٹ کے لے لی ہے سب نے
کہاں پہ جاکر کھیلیں ہم — سب کے طعنے جھیلیں ہم
سوچ رہے تھے کب سے ہم — مانگ رہے تھے رب سے ہم
اک نئی تقدیر ملے — خوابوں کو تعبیر ملے
کچھ تو ہم کو دان ملے — کھیلنے کو میدان ملے
بھلا ہو ہندوستان کا — بھارت کے نگرانوں کا
ٹی وی پر آئی یہ خبر — اسرو نے ہے چاند پر
ہندوستان کی شان کو — بھیجا چندریان کو
سب سے پہلا کام کیا — اپنا جھنڈا گاڑ دیا
جہاں ہیں بہت بڑے میدان — اب تک پہنچا نہ انسان
اسرو نے کیا کام کیا — دیش کا روشن نام کیا
ایک نیا من میت لیا — چاند کو ہم نے جیت لیا
ہم نے کیا ارادہ ہے — سب بچوں سے وعدہ ہے
دانش، شمی، چہل، روہیت — راہل، کوہلی اور جسپریت
لے کر ٹیم کو جائیں گے — فیلڈنگ وہاں سجائیں گے
کوئی نہ ہم کو ٹوکے گا — کھیلنے سے نہ روکے گا
سفر کٹھن ہے جھیلیں گے — چاند پہ کرکٹ کھیلیں گے

■

Paverz Manoos
Makan No.: 115, Azad Basti
Natti Pura West
Sri Nagar -190015 (J & k)
Mob.: 9419463486

تبسم سحر

اس کی تخلیق کا کمال ہے یہ!

آسماں پر ہیں اَن گنت تارے
اور زمیں پر ہزاروں نظارے
بکھرے ساحل پہ ہیں صدف ہی صدف
پیارا نظارا ہے چہار طرف
غول ہیں مچھلیوں کے، دریا میں
شوق سے گھومیں اپنی دنیا میں
چہچہاتے ہیں جھاڑیوں پہ طیور
دل کو محسوس ہورہا ہے سرور
بلبلیں باغ میں غزل خواں ہیں
ڈالیاں جھومیں، پھول رقصاں ہیں
تتلیاں یوں اڑیں فضاؤں میں
لطف زاہد بھی لے اداؤں میں
اوس بکھری ہوئی ہے پھولوں پر
کرنیں سورج کی ناچیں جھولوں پر
چیونٹیوں کی لگی قطاریں ہیں
کتنی اچھی بنی قطاریں ہیں
شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہے
یا کہ دنیا میں ایک دنیا ہے
اس کی تخلیق کا کمال ہے یہ
یعنی بے مثل و بے مثال ہے یہ

■

Tabassum Sahar
12, Novel Heights, Near Delta Royal
Satvik Nagar, Pakhal road
Nashik - 422011 (Maharashtra)
Mob.: 8888315125

تتلی

عمران شجر

اڑتی اڑتی تتلی آئی
آمد جس کی دل کو بھائی

گاتی ہے خوشیوں کا ترانہ
لے کے خوش رنگوں کا خزانہ
جیسے قوس قزح ہے چھائی
اڑتی اڑتی تتلی آئی

مخمل جیسا تن ہے اس کا
کاشانہ گلشن ہے اس کا
پریوں جیسا روپ ہے لائی
اڑتی اڑتی تتلی آئی

پر پھیلا کر اٹھلاتی ہے
بچوں کا من بہلاتی ہے
رب نے یہ مخلوق بنائی
اڑتی اڑتی تتلی آئی

کتنا سندر تن ہے اس کا
پل بھر کا جیون ہے اس کا
خو، جس نے پاکیزہ پائی
اڑتی اڑتی تتلی آئی

سارا دن گلشن میں گھومے
رس کی خاطر گل کو چومے
میٹھی میٹھی خوشبو لائی
اڑتی اڑتی تتلی آئی

پھولوں جیسی اس کی صورت
رنگ برنگی اس کی مورت
بھولی بھالی سیدھی سادھی
اڑتی اڑتی تتلی آئی

سر پر کلغی تاج ہے اس کا
پروانوں پر راج ہے اس کا
اللہ جانے اس کی خدائی
اڑتی اڑتی تتلی آئی

کتنی پیاری کتنی سہانی
ہے یہ شجر کے دل کی رانی
ہر بچے کے من کو بھائی
اڑتی اڑتی تتلی آئی

سب مل کر تتلی کو بچائیں
تتلی کا اک یوم منائیں

■

Imran Shajar
Al-Kareem Colony, Achalpur
Distt.: Amravati - 444806 (Maharashtra)
Mob.: 9604492728

رقیہ مظفر پوری

اچھی بچی

میری اک ہے بہن سمیا
میں ہوں اس کی بہن رقیہ
گھر کے سارے کام کرے
شام کو بیٹھے اور پڑھے

باتیں اس کی ہیں انمول
کان میں دے وہ مصری گھول
پڑھتے پڑھتے شام کرے
راتوں کو آرام کرے

ہے معصوم فرشتوں سی
وہ ہے شبنم موتی ہی
بابا کے آنگن کا نور
اس کو دیکھوں ہوں مسرور

پڑھے وہ پانچ نمازیں روز
قرآں پڑھتی ہے پرسوز
جنت کی ہو جیسے حور
سارے گھر میں اس سے نور

غم کی بات نہیں ہے اب
رہتے ہیں سب مل کر جب

بھائی بہنوں کی ہے جان
ہے سب کو اس کا ارمان

■

Ruqayya Khatoon
Village: Dharampur Naayan
(Tihai Madari Pur)
Rampur Hari, Meenapur
Muzaffarpur - 843117 (Bihar)
Mob.: 8292121994

قسط 3

جنگل کی کہانی

رمیش نارائن تیواری

مترجمہ

زینت شہریار

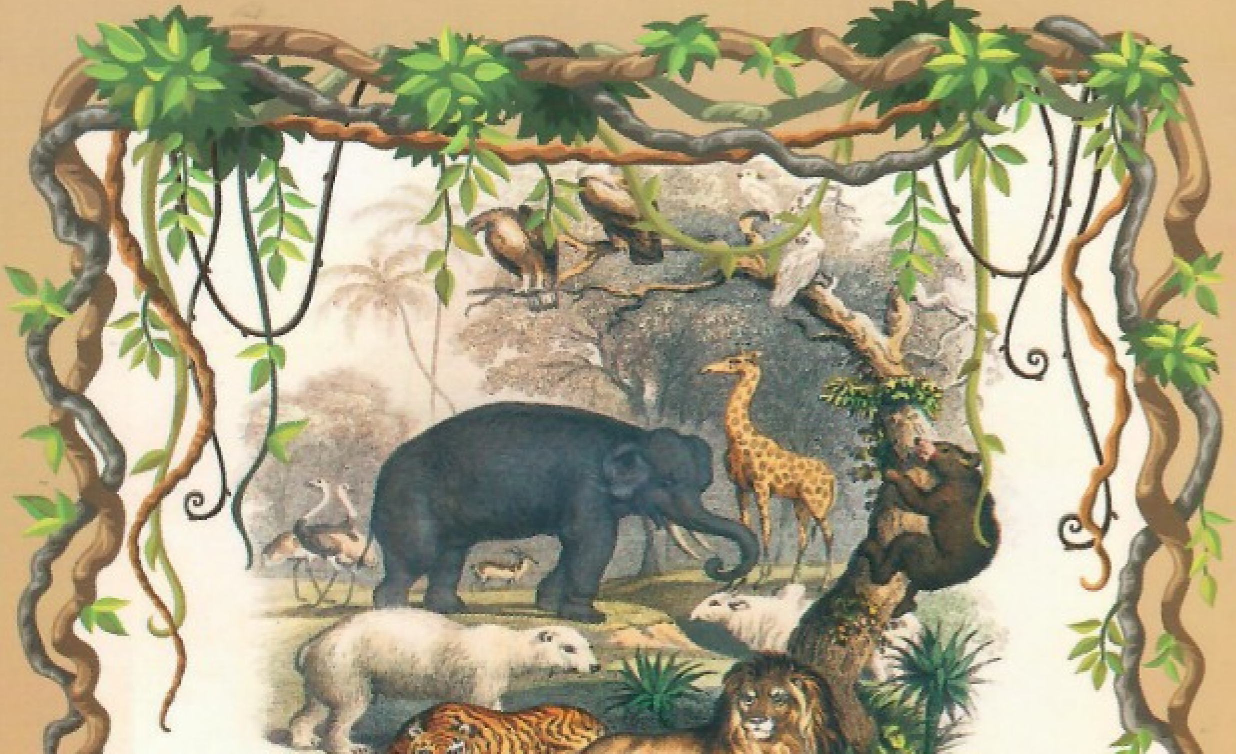

قسط وار ناول:

پیارے بچو! ہر عمر کے لوگوں کو قصے اور کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے، خاص طور پر بچپن میں کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے اور سبق آموز کہانیوں سے بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ اسی وجہ سے دادی، نانی اور امی وغیرہ سے کہانیاں سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ بچوں کی پسندیدہ چیزوں میں جنگل اور جنگلی جانور کافی اہمیت کے حامل ہیں، بچے ٹیلی ویژن پر بھی ایسے کارٹون اور کہانیاں شوق سے دیکھتے ہیں۔

'جنگل کی کہانی' رمیش نارائن تیواری کی عمدہ کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ زینت شہریار نے کیا ہے، بھیڑیا، شیر، بندر، اژدھا، موگلی اور فا وغیرہ اس کتاب میں بیس کہانیاں شامل ہیں جو آپس میں مربوط ہیں۔ بچوں کی دلچسپی اور پسند کے پیش نظر 'جنگل کی کہانی' کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے اور ان سے سبق بھی حاصل کریں گے۔

اب تک آپ نے پڑھا کہ بھیڑیا اور گیدڑ آپس میں بات چیت کر رہے ہیں کہ شیر خاں نے اپنے شکار کی جگہ بدل دی ہے۔ اسی دوران انھیں اپنے غار کی طرف شیر خاں آتا ہوا دکھائی دیتا ہے جو ایک انسان کے بچے کو شکار کرنا چاہتا ہے۔ شیر خاں کی اس حرکت سے بھیڑیے ناراض ہوتے ہیں لیکن شیر خاں اپنے شکار پر جھپٹنے کی پوری کوشش میں ہے۔

'شیرخاں کی دھمکی' میں شیرخان انسان بچہ کا پیچھا کرتے ہوئے بھیڑیا کے غار کے دھانے پر آتا ہے اور بھیڑیے سے کہتا ہے کہ انسان بچے کو میرے حوالے کردو، دادا بھیڑیا نے جواب دیا کہ ہم لوگ آزاد جانور ہیں اور ہم صرف اپنے گروہ کے سردار کا حکم مانتے ہیں۔ انسان بچہ ہمارا ہے، اسے کوئی نہیں مار سکتا، شیرخان پھر دھمکی دیتا ہے تو اب اس کا جواب اماں بھیڑیا نہایت غصے سے دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ یہ انسان بچہ میرا ہے اور میرے گروہ کے بھیڑیے کے ساتھ وہ گھومے پھرے گا وہ شیر کو بہت برا بھلا کہتی ہے، اماں بھیڑیا کا جواب سن کر شیر یہ کہتے ہوئے واپس چلا جاتا ہے یاد رکھنا یہ بچہ میرا ہے اور میرے ہی دانتوں تلے آئے گا۔ اب آگے (ادارہ)

بھیڑیا گروہ میں موگلی

جنگل کا قانون ہے کہ کسی بھیڑیا کو شادی کرنے کے بعد عارضی طور پر گروہ سے الگ رہنے کی خواہش ہو تو وہ الگ رہ سکتا ہے، لیکن جب اس کے بچے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے لگیں تو انھیں گروہ کی مجلس میں پیش کرنا لازمی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ گروہ کے دیگر بھیڑیے ان بچوں کو پہچان سکیں۔ مجلس کا اجلاس مہینے میں ایک بار پورنیما کے دن ہوتا ہے۔ شناختی تقریب کے بعد بچے اپنی خواہش کے مطابق جہاں چاہیں کھیلنے کودنے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔ جب تک کوئی بچہ

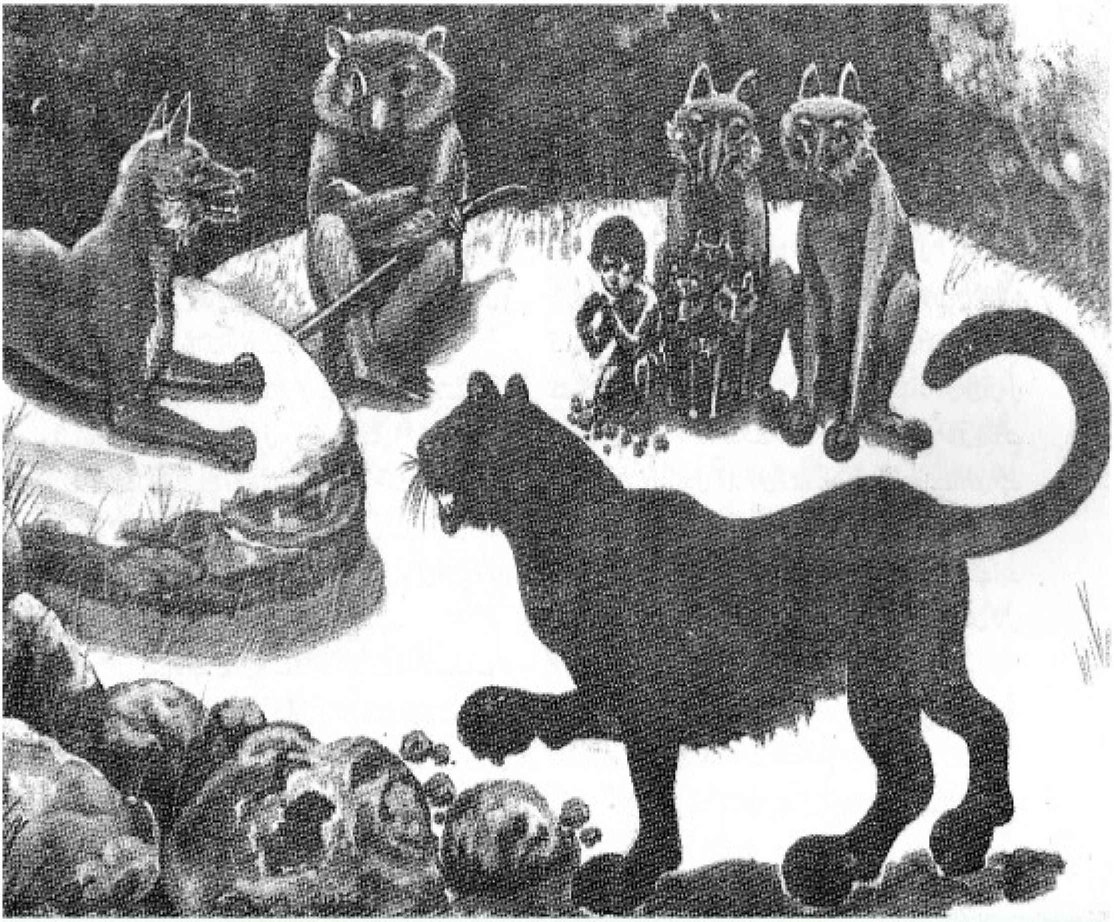

اپنے بل بوتے پر ایک ہرن کا شکار نہیں کر لیتا، تب تک وہ نابالغ ہے۔ اگر گروہ کا کوئی بھیڑیا اس سے پہلے ہی کسی بچے کو مار ڈالے تو اسے ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا ہے۔ مجرم کا پتہ چلنے پر اسے سزائے موت کے علاوہ دیگر کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ جس وقت کوئی بچہ اپنے پہلے ہرن کا شکار کر لیتا ہے بس اسی وقت گروہ اجتماعی طور پر اس کی حفاظت کی ذمے داری سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔

چنانچہ دادا بھیڑیا تب تک انتظار کرتا رہا جب تک کہ اس کے بچے چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو گئے۔ اس کے بعد جس رات جلسہ ہونے والا تھا اس رات وہ موگلی، اپنے بچوں اور اماں بھیڑیا سمیت جلسہ گاہ پر گیا۔ جلسہ گاہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھی، جو پتھروں اور چٹانوں سے اس طرح ڈھکی ہوئی تھی کہ اس کی آڑ میں (100) سو بھیڑیے آسانی سے چھپ سکتے تھے۔ گروہ کا رہنما 'اکیلا' نامی بھیڑیا تھا جو اپنی چٹان پر پورا اپھیل کر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے نیچے ہموار زمین پر چھوٹے بڑے اور مختلف رنگ روپ کے کل ملا کر تقریباً چالیس بھیڑیے بیٹھے ہوئے تھے۔ 'اکیلا' کی کھال گہرے مٹ میلے رنگ کی تھی۔ وہ بہت طاقتور اور چالاک بھیڑیا تھا اور اپنے گروہ کی رہنمائی بڑی ہوشیاری سے کرتا تھا۔ کچھ بھیڑیے بھورے کالے رنگ کی کھال والے تھے اور ایسے بڑے

جنگجو تھے کہ اکیلے ایک بڑے سانبھر یا ہرن کو مار سکتے تھے۔

’اکیلا‘ کو گروہ کی رہنمائی کرتے ہوئے تقریباً ایک سال ہو رہا تھا۔ اپنے جوانی کے دنوں میں وہ دو بار شکاریوں کے ذریعے لگائے گئے پھندے میں پھنس چکا تھا۔ ایک بار تو اسے مار مار کر نیم جاں کر دیا گیا تھا اور بعد میں مرا سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس لیے اسے انسانوں کے طور طریقوں کا علم تھا۔

جلسہ گاہ پر گفتگو برائے نام ہو رہی تھی۔ بڑے بھیڑیے اور بچوں کے ماں باپ ایک حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ حلقے کے اندر کھلی جگہ میں سب بچے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے اوٹ پٹانگ چال سے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں ایک بڑا بھیڑیا چپ چاپ اٹھ کر ایک بچے کے پاس جاتا تھا۔ وہ اسے غور سے اوپر نیچے دیکھتا اور کوئی آہٹ کیے بغیر اپنی جگہ واپس آ کر بیٹھ جاتا تھا بیچ بیچ میں کوئی ماں اپنے بچے کو حلقے میں ایسی جگہ ڈھکیل آتی تھی جہاں اس پر چاند کی روشنی ٹھیک سے پڑتی رہے۔ اس خیال سے کہ کہیں کم روشنی میں اس بچے کی ٹھیک سے شناخت کرنے میں بھیڑیے غلطی نہ کر بیٹھیں۔

وقتاً فوقتاً ’اکیلا‘ کی پکار فضا میں گونج اٹھتی تھی۔ ”تمھیں قانون معلوم ہے۔ تمھیں قانون معلوم ہے اے بھیڑیو! ٹھیک سے پہچان لو“۔ جب وہ بولنا بند کر دیتا تو بے قرار اور ناصبور مائیں ایک ساتھ اس پکار کو دہراتیں۔ ”پہچان لو، بھیڑیو! ٹھیک سے پہچان لو۔“

آخر میں دادا بھیڑیا کی باری آئی تو اماں بھیڑیا کے گلے کے روئیں خود بخود بھر بھرا کر پھول اٹھے۔ دادا بھیڑیا موگلی مینڈک کو حلقے کے بیچ میں ڈھکیل آیا، جہاں وہ بے نیازی سے بیٹھ کر چاندنی میں چمک رہے پتھر کے ٹکڑوں سے ہنس ہنس کر کھیلنے میں مگن ہو گیا۔

’اکیلا‘ نے اگلے پنجوں پر رکھے اپنے بھاری سر کو اٹھائے بغیر اسی طرح آواز لگائی۔ ”ٹھیک سے دیکھ لو، ٹھیک سے پہچان لو۔“ اس کی پکار کی گونج ہلکی بھی نہیں پڑی تھی کہ چٹان کے عقب سے ایک دبی ہوئی گرج سنائی دی۔ شیر خاں کی گرج، وہ کہہ رہا تھا۔ ”یہ بچہ میرا ہے۔ اسے مجھے دو۔ آزاد لوگوں (بھیڑیوں) کو ایک آدمی کے بچے سے کیا کام؟؟“ جواب میں ”اکیلا“ کے کان تک نہیں ہلے۔ اس نے اسی طرح مطمئن انداز سے پکار کر کہا۔ ”اے بھیڑیو! ٹھیک سے دیکھ لو، ٹھیک سے پہچان لو۔ آزاد لوگوں کے علاوہ دوسرے کسی کے فرمان سے کیا مطلب؟“ بھیڑیوں کے جھنڈ سے ایک آواز نکلی اور غراہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ ایک کم سن بھیڑیے نے جس کی عمر تین سال ہو چکی تھی اور شاید چوتھا برس چل رہا تھا کھڑے ہو کر ’اکیلا‘ سے شیر خاں کا سوال دہرایا۔ ”آزاد لوگوں کو ایک آدمی کے بچے سے کیا کام ہے؟“

یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ اگر کسی بچے کو گروہ میں شامل ہونے کے حق پر شک ظاہر کیا جائے یا کوئی بحث اٹھ کھڑی ہو تو ویسی حالت میں جنگل کا ایک قانون بنا ہوا ہے۔ قانون یہ ہے کہ اس بچے کو گروہ میں تبھی شامل کیا جا سکتا ہے جب بچے کے ماں باپ کو چھوڑ کر گروہ کے کم سے کم دو ممبران اسے شامل کرنے کی حمایت میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ ورنہ اسے شامل نہیں کیا جاتا۔ ایسے دو حمایتی اگر مل جائیں تو بچے کو گروہ میں شامل کرنے کے لیے گروہ ممبران قانون کے تحت پابند ہیں۔

”اس بچے کی جانب سے کون بولے گا؟“ ’اکیلا‘ نے کوئی جواب نہ دے کر خود ہی سوال کیا۔ ”آزاد لوگوں میں سے

کسی آدمی کی حمایت میں کون بولے گا'' کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ اماں بھیڑیا یہ دیکھ کر جنگ کرنے کو تیار ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے طے کرلیا تھا کہ اگر بچے کی حفاظت میں اسے اپنی جان کی بازی بھی لگانی پڑی تو وہ پیچھے نہیں ہٹے گی۔ جانتی تھی کہ اگر جنگ کرنے کی نوبت آئی تو شاید وہ اس کی زندگی کی آخری جنگ ہوگی۔

''آدمی کا بچہ، آدمی کا بچہ؟'' بوڑھا بھالو دادا جیسے سوتے سے جاگا ہو۔ بھالو دادا ہمیشہ اونگھتا رہنے والا ایک انتہائی عظیم الجثہ کالا بھالو تھا اور ہمیشہ کی طرح اس وقت مجلس کے اجلاس میں موجود تھا۔ اس کا کام بھیڑیا بچوں کو جنگل کے قانون کی تعلیم دینا تھا۔ شاید اسی لیے بھیڑیوں کے علاوہ جنگل کے جانوروں میں وہی ایک ایسا جاندار تھا جسے بھیڑیا مجلس میں بیٹھنے کی اجازت حاصل تھی۔ وہ صرف قند مول، پیڑوں کی جڑیں، پھل پھول اور شہد کھاتا تھا۔ اسے سارے جنگل میں خواہش کے مطابق بلا روک ٹوک ہر جگہ جانے کی آزادی تھی۔ سوال کرنے کے ساتھ وہ اٹھ کر اپنے دونوں پچھلے پیروں کے بل بیٹھ گیا اور بولا۔ ''میں آدمی کے بچے کی حمایت میں بولتا ہوں۔ آدمی کے بچے کو قبول کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ میرے پاس کہنے کے لیے بہت سے الفاظ تو نہیں ہیں۔ لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔ اسے گروہ میں شامل کر کے اپنے ساتھ ساتھ گھومنے پھرنے دو۔ میں خود اسے تعلیم دوں گا۔

''ابھی ایک حمایتی اور چاہیے''۔ ''اکیلا بولا'' بھالو دادا نے بچے کی حمایت کی اور وہ ہمارے بچوں کا استاد ہے۔ بھالو دادا کے علاوہ اور کون اس بچے کی حمایت کرتا ہے؟''

گویا کسی خلا سے ایک کالی پرچھائیں آہستہ سے حلقے کے اندر کود دی، یہ 'بگھیرا' تھا، کالا چیتا۔ دم سے سر تک اس کا پورا جسم سیاہی کے مانند کالا تھا۔ کبھی کبھی روشنی میں اس کی کھال پر چیتے جیسے چمکدار دھبے صاف دکھائی دیتے تھے۔ جنگل کا کوئی ایسا جانور نہیں تھا جو بگھیرا کو نہ جانتا ہو۔ اس کا راستہ کاٹنے کی بات سوچنے تک کی ہمت کسی جانور میں نہیں تھی۔ وہ تبا کی کی طرح چالاک، جنگلی بھینس جیسا بہادر اور زخمی ہاتھی کی طرح بیباک تھا۔ لیکن اس کی آواز درخت سے ٹپکنے والی جنگلی شہد کی طرح میٹھی اور اس کی کھال مخمل کی طرح ملائم اور چکنی تھی۔

'اے اکیلا، اور آزاد لوگو!''۔ بگھیرا بہت ہی میٹھی آواز میں بولا۔ ''مجھے تمھارے جلسے میں آنے کا کوئی حق نہیں ہے، میں یہ جانتا ہوں لیکن جنگل کا قانون کہتا ہے کہ کسی بچے کو مارنے یا زندہ رہنے دینے کے سوال پر کوئی شک یا بحث چھڑ جائے تو ویسی حالت میں ایک بچے کی جان ایک مقررہ قیمت دے کر خریدی جاسکتی ہے۔ قانون میں یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ یہ قیمت کون دے سکتا ہے اور کون نہیں، کیوں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں یا نہیں؟''

''بالکل ٹھیک، بالکل ٹھیک!''۔ گروہ کے نوجوان بھیڑیے چلائے کیونکہ وہ ہمیشہ ہی بھوکے رہتے ہیں۔ ''بگھیرا کی بات سنی جائے۔ ہاں! ہاں! بچے کو قیمت دے کر خریدا جاسکتا ہے ایسا قانون ہے۔''

''چونکہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے یہاں بولنے کا حق نہیں ہے، اس لیے یہاں آپ کی اجازت چاہتا ہوں۔''

''ضرور کہو، ضرور کہو،'' ایک ساتھ تقریباً بیس آوازیں آئیں۔

''ایک ننگے بچے کو مارنا شرم کی بات ہے۔ اس کے علاوہ جب وہ بڑا ہو جائے تب اسے مارنے میں تمھیں شاید زیادہ

فائدہ ہوسکتا ہے۔ بھالو دادا نے اس کی طرفداری کرتے ہوئے اس کی حمایت میں اپنا قول آپ کو دیا ہے۔ میں اس کے قول میں اپنی طرف سے ایک بیل اور جوڑتا ہوں۔ بیل موٹا تازہ ہے اور حال ہی میں مارا گیا ہے۔ وہ یہاں سے آدھا میل سے بھی کم دوری پر پڑا ہے۔ اگر تم لوگ چاہو تو بچے کی قیمت کے طور پر اسے قبول کر سکتے ہو۔ کیا ایسا کرنا بہت مشکل ہے؟''

ایک ساتھ بہت سی آوازیں آئیں۔ ''اس میں بھلا کیا حرج ہے؟ آخر وہ بچہ تو جاڑے کی بارش میں ٹھٹھر کر ایسے ہی مرجائے گا۔ اسے تو سورج کی تیز تپتی شعائیں بھون ڈالیں گی۔ ایک ننگا مینڈک ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ اسے گروہ کے ساتھ رہنے دینے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ بگھیرا! وہ بیل کہاں ہے؟ آدمی کے بچے کو گروہ میں شامل ہوجانے دو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

اس کے بعد اکیلا کی اکیلی آواز پھر سے ہوا میں گونج اٹھی۔ ''اچھی طرح دیکھ لو، اچھی طرح پہچان لو، اے بھیڑیو! اچھی طرح دیکھ لو۔''

موگلی اس اثنا میں پتھر کے ٹکڑوں سے کھیلنے میں مشغول تھا۔ ایک ایک کر کے بھیڑیے اس کے نزدیک آئے اور اسے غور سے دیکھ، پہچان کر واپس چلے گئے لیکن تب بھی اس کا دھیان کھیل سے نہیں ہٹا۔ بالآخر سب بھیڑیے پہاڑی کے نیچے مرا ہوا بیل کھانے کے لیے چلے گئے۔ جلسہ گاہ پر صرف اکیلا بگھیرا، بھالو دادا، موگلی اور موگلی کے اپنے کنبے کے بھیڑیے (دادا بھیڑیا اماں بھیڑیا اور ان کے بچے) رہ گئے۔ شیر خاں اب بھی گرج رہا تھا۔ وہ انتہائی غصے میں تھا کیونکہ موگلی کو اس کے حوالے نہیں کیا گیا تھا۔

بگھیرا اپنی مونچھوں کے نیچے کھدبدایا۔ جی بھر کر گرج لے بیٹا۔ وہ وقت دور نہیں جب یہی ننھا اور کمسن لڑکا تجھے دوسرا ہی سر الاپنے پر مجبور کردے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو میں سمجھوں گا میں انسانوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''یہ بہت اچھا ہوا''۔ اکیلا نے کہا۔ ''آدمی اور ان کے بچے بہت عقل مند ہوتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ کبھی وقت پڑنے پر وہ ہمارے لیے مددگار ثابت ہو۔''

''یہ بالکل ٹھیک ہے۔ وقت پڑنے پر وہ ضرور ہمارے کام آئے گا۔ ہم سبھی جانتے ہیں کہ ہمیشہ کے لیے گروہ کا رہنما بنے رہنا تو کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے۔ بگھیرا معنی خیز انداز میں بولا۔

اکیلا نے بگھیرا کے اس معنی خیز اشارے کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس وقت کی بات سوچ رہا تھا جب ہر رہنما کی طاقت کم ہوجاتی ہے، وہ روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے حتی کہ آخر میں اسی کے گروہ کے بھیڑیے اسے مار ڈالتے ہیں اور تب فوت ہوئے رہنما کی جگہ پر ایک نیا رہنما آجاتا ہے۔ اپنا وقت پورا ہونے پر خود اسی طرح مارے جانے کے لیے۔

''بچے کو لے جاؤ''۔ آخر کار وہ دادا بھیڑیا سے بولا۔ ''اور دیکھو، اسے ایسی تعلیم دو جیسی کہ آزاد لوگوں کو ملنا چاہیے۔''

اس طرح ایک بیل اور بھالو دادا کے قول کے عوض میں موگلی کو شبنی کے بھیڑیا گروہ میں شامل کرلیا گیا۔

جاری ....

■

ماخذ: جنگل کی کہانی: رمیش نارائن تیواری، **مترجمہ:** زینت شہریار، **دوسری اشاعت:** 2022، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

علم ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتا ہے: زیب النساء

زیب النساء

س: بچپن کی کون سی باتیں، شوخیاں، شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: سچ کہوں تو میں بچپن میں بہت ہی خاموش مزاج لڑکی تھی۔ کھیل کود میں کوئی اتنا دھیان نہیں رہتا تھا۔ ہاں پینٹنگ کا بہت شوق تھا۔

س: بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج: معصوم بچپن اتنا بھولا ہوتا ہے اس میں بس رنگ برنگی رنگوں سے سجی کہانیاں ہی دل کو بھاتی تھیں وہی کچھ میرے ساتھ تھا۔ درپن اور چمپک بہت اچھی لگتی تھیں۔ اب سمجھ آنے پر مائل خیرآبادی، سید حامد علی کی کہانیاں پسند کرتی ہوں۔

س: بچپن میں کس کتاب نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا؟

ج: اتنا تو یاد نہیں کافی عرصہ گزر گیا، مگر کچھ دھندلا دھندلا عکس ہی یاد ہے۔ اس کتاب کا نام تھا 'ہمارے حضور'

س: بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتی تھیں؟

ج: بچوں کے رسالے 'نور' اور 'نونہال' وغیرہ۔

س: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو بچوں کے لیے سبق آموز ہوں جس سے نئی نسل کی بہترین تربیت ہو سکے اور ان کے علم میں اضافہ ہو۔

س: زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہو سکتی ہیں؟

ج: بہت سے مصنفین اب بھی ایسے ہیں جو آج بھی اپنی کہانیوں کے ذریعے نئی نسل کو ایک پیغام دے رہے ہیں، مثلاً مائل خیرآبادی، عرفان خلیل، بنت اسلام وغیرہ کی کتابیں رہنما ثابت ہو سکتی ہیں۔

س: مستقبل اور اپنے کیریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

ج: بچوں کا ذہن اس سادے کاغذ کی طرح ہوتا ہے جس پر کچھ لکھا نہ گیا ہو وہ جس ماحول میں بچپن گزارتے ہیں اس کا اثر ان پر پوری زندگی باقی رہتا ہے۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، جن میں سے ایک مشہور کتاب جو بچوں کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے اس کتاب کا نام ہے 'وقت کی اہمیت' اس کے مصنف کا نام ہے یوسف القرضاوی۔

س: اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: میری شروعاتی تعلیم آگرہ میں ہوئی۔ سینٹ جونس کالج سے گریجویشن کرنے کے بعد آگرہ یونیورسٹی سے جرنلزم میں ڈپلوما کیا۔ حیدرآباد سے عربک کا ڈپلوما اور اب ایم اے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے کر رہی ہوں۔ تعلیمی سفر کے دوران ہی آل انڈیا ریڈیو سے جڑی جہاں میری کہانیاں عرصے تک براڈکاسٹ ہوتی رہیں اور آج بھی یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ آج کل میں فری لانس وائز اوور آرٹسٹ کے طور پر کام کر رہی ہوں۔ اس کے علاوہ کئی اداروں کے لیے وقت وقت پر اسٹوری ٹیلنگ بھی کرتی رہتی ہوں۔

س: آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: آج بھی یاد ہے سنہ 2006 میں کمانی آڈیٹوریم کی وہ شام جب میری بچوں کے لیے لکھی پہلی کتاب ''نندو لوٹ آیا' کو ہندی اکادمی کی طرف سے بال کشور ساہتیہ سمان سے نوازا گیا تھا، اس وقت میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا۔ میں مستقبل میں بچوں کے لیے بھی لکھ سکتی ہوں، اس کتاب کی مقبولیت اور ایوارڈ نے مجھے احساس کرایا کہ میں بچوں کو اپنی کہانیوں کے ذریعے کچھ سیکھ دے سکتی ہوں، بس پھر کیا تھا میرے قلم کا رخ بچوں کی کہانیوں کی کتابیں لکھنے کی طرف مڑ گیا۔

س: آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج: میری پہلی تخلیق 'امر اجالا' میں شائع ہوئی اور اس کہانی کا نام تھا 'جونی'

س: آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج: میرا مرکزی موضوع بچوں کی تربیت ہے، میری لکھی ہر کتاب تربیتی پہلو لیے ہوتی ہے۔ اب چاہے 'رمضان آیا' کتاب ہو یا 'خواب امین کا' ہر کتاب اور کہانی کا نام تو لکھنا مشکل ہے لیکن جب جب میری لکھی کتابیں اس زمانے کی نظروں سے گزریں تو مجھے احساس ہوا کہ میری لکھی کہانیاں اور تصانیف لوگوں نے پسند کیں اور مجھے سراہا۔

س: کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیاتی اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتی ہیں یا نہیں؟

ج: جی ہاں، بالکل جیسے کہ میں نے پہلے ہی بتایا میں اسٹوری ٹیلنگ کرتی ہوں، مختلف اداروں اور اسکولوں کے لیے جہاں مجھے معلوم ہو جاتا ہے، بچوں کو کس طرح کی کہانیاں سننا زیادہ

پسند ہیں اور پھر اسی کے مطابق میں اپنی کہانیوں کا تانا بانا بنتی ہوں یا یوں سمجھ لیں کہ سرچ کر کے ہی میں کہانیاں لکھتی ہوں۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج: میں نے لکھنے کی شروعات خواتین کے موضوع پر کیا تھا۔ کئی کتابیں جو شائع ہوئیں وہ خواتین پر ہی لکھی گئی تھیں، لیکن سنہ 2006 میں جب بچوں کے لیے پہلی کتاب 'نندولوٹ آیا' لکھی تب تھوڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ بچوں کے لیے آسان زبان میں لکھنا تھا تا کہ بچہ آسانی سے سمجھ سکے اور کہانیاں بھی پسند آئیں یہ بھی ایک شرط تھی پر اللہ کے کرم سے لکھتے لکھتے یہ مشکل بھی آسان ہوگئی۔

س: ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: اللہ کا احسان اور اس کا کرم رہا، مجھے کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا کہ میری لکھی ہوئی کتابوں کو معاشرے میں نظر انداز کیا گیا ہو اس کی پہلی مثال 'بال کشور ساہتیہ سمان' ہے جہاں سے میرے بچوں کے فلسفے کا جہاں آباد ہوا اور یہیں سے مجھے ایک نئی پہچان بھی ملی۔

س: کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتی ہیں؟

ج: جی ہاں! اور آج میرے پاس بچوں کی کتابوں کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

س: انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں؟

ج: انگریزی میں ایک کتاب جس کا نام ہے 'Islam for Children' 'اسلام کی شکشائیں۔ (ہندی ترجمہ) اور اس کے مصنف ہیں احمد کین ڈے فر اور دوسری کتاب جو انگریزی میں ہے The Cry of Al Aqsa اس کی مصنفہ ہیں Fida Al- Zamer۔ Childhood dreams, The tale of an Olive Islamic history for children اسی کے ساتھ مائل خیر آبادی اور رسالوں میں بہت سے رسالے بچوں کے لیے بہترین تربیت دینے والے موجود ہیں۔

س: اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

ج: جی ہاں، اردو میں بچوں کی دنیا، پیام تعلیم اور روشن ستارے وغیرہ ایسے رسائل ہیں جو دیگر زبانوں کے رسائل کی طرح مکمل اور مقبول ہیں۔

س: بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: کافی حد تک۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

ج: بچوں کے لیے آج کے دور میں اچھی تربیت اور اخلاقیات کے موضوع پر تصانیف لکھی جانی چاہئیں۔

س: بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے؟

ج: بچے کی پہلی درسگاہ اس کی ماں ہی ہوتی ہے۔ وہی اس کو اچھی تربیت، جیسے سچ بولنے کی عادت، بڑوں کا ادب، ماں کی فرماں برداری اور آپس میں میل جول اور محبت سے رہنا وغیرہ سکھا سکتی ہے اور سکھاتی بھی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں ڈالے کہ کسی اچھے مقام تک پہنچنے کے لیے تعلیم سب سے اوپر ہے۔

■

Zaibunnisa
A-1, 4th Floor
MM Apartment, Okhla Vihar
New Delhi- 110025

سلمیٰ یوسف حسین

چاکلیٹ: سب کی پسند

آج اسلم کی سالگرہ تھی۔ اس کے سارے دوست اس کی سالگرہ کا جشن منانے اس کے گھر آئے تھے۔ اماں باورچی خانے میں اسلم کا پسندیدہ کھانا پکا رہی تھیں اور ابا اس کی سالگرہ کا کیک، پیسٹری اور چاکلیٹ لانے بازار گئے تھے۔

بچے کھیل کود میں مصروف تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور ابا بہت سارے تھیلے اٹھائے گھر میں داخل ہوئے۔ بچوں نے کھیل کود چھوڑا اور ابا کی طرف لپکے۔ اسلم نے فوراً چاکلیٹ سے بھرا تھیلا اٹھا لیا اور کہا آہا۔ کتنے سارے چاکلیٹ۔ ملک چاکلیٹ، فائیو اسٹار، ڈارک چاکلیٹ، چاکلیٹ کو کی اور چاکلیٹ کی پیسٹری، واہ واہ مزہ آ گیا۔ ابا تھینک یو۔

اچانک ابا نے اسلم کو آواز دی اور کہا۔ چاکلیٹ کھانے سے پہلے میں ایک دلچسپ کہانی سنانے جا رہا ہوں۔ سنو گے۔ سب بچوں نے زوردار آواز میں کہا۔ تو سنو! ابا گویا ہوئے۔ کہانی کا نام ہے سیما اور چاکلیٹ۔

سیما ایک چھوٹے سے گاؤں کی چنچل لڑکی تھی۔ 7 سال کی عمر گاؤں کا کھلا ماحول سیما اسکول سے آ کر سارا وقت ناچ گانوں میں لگی رہتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد الماری میں رکھے چاکلیٹ سے منھ بھر لیتی تھی اور پھر کھیل کود میں لگ جاتی تھی۔ اس کی ماں نے سیما کو سمجھایا کہ چاکلیٹ اچھے ضرور لگتے ہیں لیکن ان کا زیادہ کھانا صحت کے لیے مضر ہے۔ تمھارے دانت سیاہ ہو جائیں گے۔ پیٹ میں درد ہوگا، تمھاری صحت خراب ہو جائے گی لیکن سیما پر ان باتوں کا اثر کہاں۔

ایک دفعہ جب وہ اپنے کمرے میں سونے کی تیاری کر رہی تھی، کھڑکی سے ایک پری کمرے میں داخل ہوئی اور سیما کے سرہانے کھڑی ہو گئی۔ سیما نے کہا پری پری میں بہت پریشان ہوں مجھے چاکلیٹ کھانے ہیں اور اماں مجھے اس سے روک رہی ہیں۔ اچھی پری تم تو سب کی خواہشوں کو پورا کرتی ہو، کیا میری خواہش بھی پوری کرو گی۔ پری نے کہا: کیا چاہتی ہو۔ سیما نے کہا مجھے ایسی جگہ لے چلو جہاں چاکلیٹ ہی چاکلیٹ ہوں اور میں خوب جی بھر کے انھیں کھاؤں پری نے

کہا سیما اپنی آنکھیں بند کرلو جب میں کہوں تبھی انھیں کھولنا۔ سیما نے اپنی آنکھیں بند کیں اور پری کا ہاتھ تھام لیا۔ تھوڑے وقفے کے بعد سیما نے اپنی آنکھیں کھولیں تو خوشی سے اچھل پڑی۔ پری غائب تھی مگر سیما چاکلیٹ سے بنے پہاڑ پر کھڑی تھی۔ نیچے آئس کریم کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ آس پاس کے سارے درخت چاکلیٹ کے بنے تھے۔ گاؤں سے سارے مکان چاکلیٹ سے بنے تھے۔ اوہو یہ تو چاکلیٹ کا شہر ہے۔ سیما اچھل کود کر ہر جگہ سے چاکلیٹ اٹھا کر کھاتی رہی۔ انواع و اقسام کے چاکلیٹ۔ سیما کو چاکلیٹ سے بنے چھوٹے چھوٹے پہاڑ بہت اچھے لگے۔ وہ ان کی گود میں بیٹھ کر چاکلیٹ کھانے لگی۔ اچانک وہ پیٹ کے درد سے تڑپ اٹھی۔ پاس پڑے آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر وہ ڈر گئی۔ اس کے سارے دانت سیاہ ہوگئے تھے اور ساتھ ہی پیٹ میں شدت کا درد بڑھ رہا تھا۔ سیما زار و قطار رونے لگی اور پری کو بلانے لگی۔ پری پری مجھے اپنے گھر پہنچا دو۔ میرے پیٹ میں شدت کا درد ہو رہا ہے۔ اماں نے مجھے کہا تھا کہ زیادہ چاکلیٹ کھانے سے صحت خراب ہوگی۔ میں نے غلطی کی اور ان کی بات پر عمل نہیں کیا۔ اچھی پری اب گھر پہنچ کر ہمیشہ امی کی بات مانوں گی۔ پری نے کہا وعدہ کرو کہ آج کے بعد اپنے سے بڑوں کی بات مانو گی اور ان کی نصیحت پر عمل کروگی۔ سیما نے پری سے وعدہ کیا اور پری اسے اس کے گھر لے آئی۔ سیما نے اپنی اماں سے معافی مانگی اور ہمیشہ ان کی بات ماننے کا وعدہ کیا۔ ابا نے بچوں کی طرف دیکھا اور کہا اس کہانی کا سبق ہے کہ بڑوں کی بات ماننے میں ہی بھلائی ہے۔ آج آپ سب مجھ سے وعدہ کریں گے کہ اپنے سے بڑوں کی بات مانیں گے۔

یہ کہہ کر ابا نے چاکلیٹ کا تھیلا بچوں کی طرف بڑھایا اور کہا کھانے سے پہلے کچھ میٹھا ہو جائے۔

■

Salma Yusuf Husain
E52 - Sun City, Sec - 54
Gurugram-122003
Mob.: 9910143754

جواب

1	لارڈ لوئس ماؤنٹ بیٹن	2	بٹومینس کوئلہ	3	1757	4	محمد سمیع
5	1954	6	بھارت رتن	7	اکتوبر	8	نیشنل ایجوکیشن پالیسی 2020
9	گلیشیئرز	10	کیلشیم	11	1994	12	1942
13	35	14	کلوروفل کی وجہ سے	15	وٹامن سی	16	آریہ بھٹ
17	360	18	دس	19	کنچن جنگا	20	خلیج بنگال میں

کہانی

پرویز شہریار

کالا چوہا، سفید چوہا

ایک تھا، کالا چوہا اور ایک سفید چوہا، دونوں میں بڑی دوستی تھی۔ دونوں چوہے ایک دوسرے کے جگری دوست تھے۔ وہ ایک دوسرے کی تعریف کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ایک دوسرے کی پونچھ کی تعریف کرتے، کبھی مونچھ کی تعریف کرتے۔ انھیں اپنی تعریفیں سننا بہت پسند تھا۔ سفید چوہے کی پونچھ، کالے چوہے کی پونچھ سے زیادہ لمبی تھی۔ لیکن کالے چوہے کی مونچھیں، سفید چوہے کی مونچھوں سے زیادہ لمبی تھی۔ جب کوئی ان کی تعریف کرتا تو انھیں بہت اچھا لگتا تھا۔ لیکن اگر کوئی ان کی برائی کر دے تو وہ بہت دکھی ہو جاتے تھے۔

ایک بار سفید چوہے نے کالے چوہے کی طرف حکارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم بہت بے ڈھب ہوتے جا رہے ہو، ذرا اپنا پیٹ تو دیکھو تم کسی دھنا سیٹھ سے کم نہیں لگتے۔''

کالے چوہے کو اس بات سے بہت صدمہ پہنچا۔ وہ اداس ہو گیا۔ کیونکہ اس کا پیٹ واقعی بہت موٹا ہو گیا تھا۔ جب کہ سفید چوہے کا بدن بہت سڈول تھا۔ وہ دبلا پتلا اور بہت پھرتیلا تھا۔ درختوں کی شاخوں پر اور گھروں کی دیواروں پر پائپ کے سہارے وہ بہت تیزی سے چڑھ جاتا۔ دوڑ میں بھی وہ اول آتا تھا۔ کالا چوہا اسے بڑی رشک کی نگاہوں سے دیکھتا۔ جتنی بار وہ اپنے پھرتیلے دوست کو دیکھتا، اتنا ہی وہ مایوس ہو جاتا۔ اسے اپنے موٹاپے سے چڑھ سی ہونے لگی۔

ایک دن سفید چوہے نے جب دیکھا کہ اس کا دوست بہت اداس رہنے لگا ہے، تو آخر کار، اس سے پوچھ ہی لیا۔ ''کیا بات ہے، دوست! تم اتنے اداس کیوں رہنے لگے ہو؟''

کالے چوہے نے فکرمندی سے کہا۔ ''دوست تم کتنے اچھے ہو، لیکن میں کتنا برا ہوں۔'' اس بات پر سفید چوہے نے شکایت کے لہجے میں پوچھا، ''تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ مجھ سے انجانے میں کوئی غلطی ہوگئی ہے، کیا؟''

''نہیں .... نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" کالے چوہے نے فوراً اسے کچھ اور بولنے سے روک دیا۔ ''دراصل،

بات یہ ہے کہ میں بہت موٹا ہو گیا ہوں۔ میں تمھاری طرح پھرتی سے دیواروں پر چڑھ بھی نہیں سکتا اور نہ تیزی سے دوڑ سکتا ہوں۔''

سفید چوہے نے کہا۔''بس، اتنی سی بات! تو فکر مت کر، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کل سے تو میرے ساتھ صبح کی سیر کو چلنا۔ پھر میں بھی دیکھوں کہ تمھارا موٹاپا کیسے کم نہیں ہوتا ہے۔''

سفید چوہے اور کالے چوہے کے بل آس پاس تھے۔ وہ ایک ایسی جگہ پر رہتے تھے، جہاں مکان کے ساتھ ساتھ کچھ دکانیں اور ہوٹل بھی تھے۔ اس کے ساتھ ہی کچھ فاصلے پر گنبد والی تاریخی عمارتوں کا ایک مختصر سا سلسلہ تھا۔ یہ عمارتیں اب ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈروں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں کسی بادشاہ کا محل تھا۔ محل سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ پرانے زمانے میں بادشاہ کے نہانے کے لیے ایک حمام بھی تھا۔ اس حمام میں گرمی کے موسم میں ٹھنڈا اور سردی کے موسم میں گرم پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اب سب کچھ ویران ہو چکا تھا۔ حمام کے صرف نشانات باقی رہ گئے تھے۔

ان تاریخی مقامات کو دیکھنے کے لیے مختلف شہروں اور باہری ملکوں سے سیاح آتے تھے، جس کی وجہ سے یہاں رات دیر تک رونق رہتی تھی۔ لوگوں کی خوب گہما گہمی رہتی تھی۔ ان ہوٹلوں میں رات کے وقت سنگیت اور گانے بجانے کے پروگرام بھی چلتے رہتے تھے۔ کھانے کی ہر طرف بڑی فراوانی تھی۔ سیاحوں کو فاسٹ فوڈ یعنی سڑکوں کے کنارے بکنے والے کھانے بہت پسند تھے۔ وہ موموز، چاؤمین، برگر اور پیزا وغیرہ خوب کھاتے تھے۔ بچے کھچے کھانے ٹب میں ڈال دیتے تھے۔

کالے چوہے کو چیز بہت پسند تھی۔ وہ بچے کچھے کھانے میں سے چیز کی تلاش میں ہر جگہ سونگھتا پھرتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں چیز کے ٹکڑے مل جاتے جسے کھا کھا کر کالا چوہا موٹا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ دن چڑھے تک سوتا رہتا تھا وہ رات دیر تک جاگتا اور صبح کے وقت اس کی آنکھیں نہیں کھلتیں ۔ وہ بل میں پڑا کاہلوں کی طرح سوتا رہتا تھا۔ دوپہر کے وقت جب اس کی نیند کھلتی، تو اس کی آنکھیں تیز روشنی میں چندیانے لگتی تھیں، رفتہ رفتہ بہت کاہل اور سست ہو گیا تھا، وہ۔

سفید چوہے نے کالے چوہے سے کہا۔''آج رات جلدی سو جانا۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے میں تجھے نیند سے جگا دوں گا۔ پھر ہم دونوں صبح کی سیر کو نکلیں گے۔'' کالے چوہے نے اچھے بچے کی طرح جلدی سے ہامی بھر لی۔ مرتا کیا نہ کرتا، وہ اپنے بے ڈول جسم سے بہت پریشان تھا وہ رات میں جلدی سو گیا۔ صبح اندھیرے میں سفید چوہے نے آکر اسے جگا دیا۔

اب دونوں دوست بڑے مزے سے سیر کو نکلے۔ کچھ ہی دور چلے تھے کہ انھوں نے دیکھا کچھ کتے آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ وہ دونوں دبے پاؤں وہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلے۔ کسی نے ان کی طرف دھیان نہیں دیا۔ کالے چوہے نے کہا۔''مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

کچھ دور چلنے کے بعد جب وہ تالاب کے پاس پہنچے، تو انھوں نے دیکھا۔ تالاب کے راستے میں دونوں طرف اونچے اونچے درختوں کی قطاریں تھیں۔ ان درختوں سے چمگادڑوں کے چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دونوں نے اوپر دیکھا، تو وہاں کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ درختوں کی شاخوں پر چمگادڑ اُلٹے لٹکے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ تو رہ رہ کر ایک درخت سے دوسرے درخت پر اڑ کر چلے جاتے تھے۔ ان کے بہت بڑے بڑے پنکھ تھے۔ وہ دیکھنے میں بڑے ڈراؤنے معلوم ہوتے تھے۔

سفید چوہے نے سمجھایا،''ڈرنا مت، یہ کچھ نہیں کریں گے۔ انھیں دن میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔'' سفید چوہے

نے کالے چوہے کو تالاب کی طرف دکھاتے ہوئے کہا،'' وہ دیکھ ..... '' سفید چوہے نے کالے چوہے کا دھیان دوسری طرف کھینچتے ہوئے کہا۔"وہ دیکھ .... تالاب میں کتنے سارے ہنس اور بطخیں تیر رہی ہیں۔ وہ دیکھ بگلا اور کنگ فشر کیسے مچھلیوں کی تاک میں معصوم سی صورت بنائے بیٹھے ہیں۔ تالاب کے بیچ میں ایک چھوٹا سا ٹاپو تھا، جس میں ہنسوں اور بطخوں کے قدرتی دڑبے تھے، جہاں جا کر وہ انڈے دیا کرتی تھی۔

کالے چوہے نے دیکھا کہ تالاب کے کنارے ریلنگ کے پاس کھڑا ایک شخص گیلے آٹے کی گولیاں بنا بنا کر پانی میں پھینک رہا تھا، جنھیں کھانے کے لیے بہت ساری مچھلیاں پانی کی سطح پر آجاتی تھیں۔ دونوں دوست یہ منظر بہت دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ انھیں آس پاس کی دنیا کی کوئی خبر نہ تھی۔ کالے چوہے نے ایسا منظر پہلی بار دیکھا تھا۔ اسے یہ سب دیکھ کر بڑا مزہ آرہا تھا۔

تبھی اچانک انھیں بندروں کی ٹولی آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ دونوں دبک کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ راستے میں ایک جگہ چبوترے پر اناج کے بہت سارے دانے پڑے ہوئے تھے، جنھیں طوطے، مینا، فاختائیں، کبوتر، کوے اور مور جلدی جلدی کھا رہے تھے۔ ان کے درمیان دو تین گلہریاں بھی تھیں جو اِدھر سے اُدھر پُھدک پُھدک کے دوڑ لگا رہی تھیں۔ سفید چوہے نے اپنے کالے دوست کو بتایا۔'' اس جگہ پر لوگ اپنے گھروں سے لا کر مکئی، باجرہ، جوار اور رات کی باسی روٹی کے ٹکڑے ڈال جاتے ہیں۔''

اتنے میں ایک کتا وہاں اچانک نا جانے کہاں سے آپہنچا۔ اس کی دھمک پاتے ہی، سارے پرندے ایک ساتھ پھڑ پھڑا کے اڑ گئے اور گلہریاں لپک کر پیڑ پر چڑھ گئیں۔ کالے چوہے نے سفید چوہے سے پوچھا۔'' کیا تم روزانہ یہ سب دلچسپ مناظر دیکھتے ہو؟'' اس پر سفید چوہے نے ڈینگ ہانکتے ہوئے کہا۔"ہاں، ہاں! کیوں نہیں، روز اپنی ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔'' تب کالا چوہا سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ میں بھی کتنا بیوقوف ہوں۔ دن چڑھے تک بل میں گھس کر سوتا رہتا ہوں۔

'' کاش! میں بھی تمھاری طرح اتنے خوبصورت مناظر روز دیکھ سکتا۔''

'' اس میں کون سی بڑی بات ہے۔'' سفید چوہے نے جواب دیا۔'' جہاں چاہ، وہاں راہ!''

'' کیا تم روزانہ مجھے اپنے ساتھ لے کر یہاں آؤ گے؟'' کالے چوہے نے بڑی عاجزی سے سوال کیا۔

'' ہاں! کیوں نہیں۔ تو میرا اتنا اچھا دوست ہے۔ اب چلو یہاں سے۔ سفید چوہا کالے چوہے کو اپنے ساتھ لے کر ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اس کے آگے ایک ترائی سی تھی، جہاں جھڑ بیریوں کی جھاڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ دونوں نے وہاں جا کر کچھ کچی کچھ پکی بیریاں کتر کتر کے کھائیں۔ پھر سفید چوہے نے کہا،'' آؤ! اب کچھ ورزش کر لیں۔ میں بھاگتا ہوں تو دوڑ کر پکڑنے کی کوشش کر مجھے۔'' یہ کہتے ہی سفید چوہے نے دوڑ لگا دی اور کبھی وہ جھٹ سے پیڑ پر چڑھ جاتا، تو کبھی ہری ہری گھاس پر دوڑنے لگتا۔ لیکن کالا چوہا بے چارہ دوڑتے دوڑتے ہانپنے لگا۔ موٹاپے کی وجہ سے اس کی سانس پھولنے لگی۔ وہ بڑی مشکل سے بولا۔"رُک... رُک ... میں بالکل تھک گیا ہوں، دوست! ذرا دم لے لیں۔''

سفید چوہے نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا، '' دوست! تو بہت بہادر ہے۔ میں بھی جب پہلے دن آیا تھا نا، تب تجھ سے بھی کم دوڑ پایا تھا۔''

کالے چوہے نے تعجب کے ساتھ سوال کیا،'' تو پھر، اب تو اتنی تیز کیسے دوڑ لیتا ہے؟

’’مشق ... میرے دوست، مشق...! مشق سے کوئی بھی کام ہو، وہ آسان ہو جاتا ہے۔‘‘

سفید چوہے نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ ’’میں ہر روز صبح کی سیر کو نکلتا ہوں، اس سے دن بھر میرے جسم میں چستی پھرتی رہتی ہے۔‘‘

کالے چوہے نے کہا۔ ’’بات تو صحیح ہے!‘‘

کچھ دیر دونوں دوست خاموشی سے بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔ اس کے بعد سفید چوہے نے، کالے چوہے سے پوچھا۔

’’کیسی رہی آج کی سیر؟

کالے چوہے نے کچھ ٹھہر ٹھہر کے سوچتے ہوئے کہا،

’’میں نے بھی ارادہ کرلیا ہے۔‘‘

اِس پر سفید چوہے نے بڑی بے صبری سے پوچھا،

’’کیا... کیا ارادہ کرلیا ہے؟‘

کالا چوہا بولا ’’یہی کہ ... اب سے میں بھی روز تمھارے ساتھ صبح کی سیر کو نکلوں گا۔‘‘

اس نے سفید چوہے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

سفید چوہے نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’تو پھر کل سے صبح کی سیر پکی، سمجھوں؟"

دونوں دوست نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر قدم بڑھاتے ہوئے ایک آواز میں کہا:

’’کل سے ہم روز صبح کی سیر کو آئیں گے!‘‘

■

Dr. Perwaiz Shaharyar
Flat No.43C, Pocket-A, DDA SFS Flats
Sukhdev Vihar
New Delhi-110025
Mobile No. 9910782964

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں ’بچوں کی دنیا‘ کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر............ بتاریخ............

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: CNRB0019009، A/C: 90092010045326 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ ’بچوں کی دنیا‘ ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , فون:011-26109746 فیکس:011-26108159

دستخط

کہانی

برے کام کا برا انجام

محمد طارق

اپنے پرانے دوست کا نام سنتے ہی وہ ایسا ٹھٹھک گیا جیسے زمین نے اس کے پیر پکڑ لیے ہوں۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں اور بھوئیں پیشانی پر چڑھ گئیں جس سے اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال تن گیا۔

اس کے لیے وہ ایسا کردار تھا جسے چاہ کر بھی وہ بھلا نہیں سکا تھا۔ یادداشت سے جونک کی طرح چمٹا کردار، اس کا کلاس فیلو، بچپن کا ساتھی، جس کی ہر حرکت، ایک ایک بات سب کچھ اس کے ذہن میں ایسی محفوظ تھی جیسے کل کی ہی بات ہو۔

حالانکہ زمانہ بیت گیا... برسوں پہلے اس نے اسے دیکھا تھا شاید آج سے تقریباً بیس برس پہلے کی بات ہے۔ وہ اپنا وطن چھوڑ کر ملازمت کے لیے جا رہا تھا... تب اس نے بس اسٹینڈ پر دیکھا تھا۔

جینس پتلون اور ہاف آستین کے سیاہ شرٹ میں ملبوس ہوٹل کے سامنے کمر پر ہاتھ رکھے کھڑا چائے پی رہا تھا۔ چائے کی چسکیوں کی آواز وہ اپنے کانوں میں ایسے محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے کانوں کے قریب سانپ پھنکار رہا ہو۔

’’جنگلی... غیر مہذب، جاہل کہیں کا!‘‘ اسے دیکھ کر اس نے خود کلامی کی تھی اور اس پر ترچھی نظر ڈال کر بس اسٹاف کے شیڈ میں آ گیا تھا۔

برسوں پہلے اس نے دل میں جو الفاظ اس کے لیے ادا کیے تھے، اس سے بھی گھٹیا لفظوں سے لوگ اسے نوازا کرتے تھے۔ وہ اتنا اوباش تھا کہ گاؤں کا کوئی بھی شریف آدمی اس سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

زمانہ طالب علمی میں جب وہ اس کے ساتھ پڑھا کرتا تھا تب بھی سارے ٹیچر اس سے نالاں تھے اور اس کے والدین کو اس کی حرکتوں سے بہت دکھ ہوتا تھا۔ وہ ہر روز نت نئی شرارتیں کیا کرتا تھا۔ کبھی کسی کی مرغی مار ڈالی تو کسی کی بکری کو پیٹا۔ کسی کے کتے کی ڈنڈے سے خبر لی، کسی کی بلی کو اٹھا کر پٹخ دیا۔

ایسے اذیت ناک کاموں سے جی نہیں بھرا تو محلے پڑوس کے بچوں پر آفت بن کر ٹوٹ پڑتا تھا۔ بس اس کے یہی محبوب مشاغل تھے۔

والدین کی فرماں برداری تو اس نے شاید کبھی کی ہی نہیں، ان کی نصیحتوں پر عمل کرنا تو دور کی بات بسا اوقات اس نے اپنے والدین سے منہ زوری بھی کی۔

اس کے والد اکثر اسے پیٹتے ہوئے مدرسے لایا کرتے تھے مگر کیا مجال کہ اس پر مار کا کچھ اثر ہوا ہو— کیسا تھا وہ—

کہانی

کس مٹی کا بنا ہوا جیسے وہ بالکل ایسا چکنا پتھر جس پر پانی کی بوند تک نہ ٹھہرے۔

جب تک وہ مدرسے میں رہتا کسی کو سکون سے نہیں رہنے دیتا تھا۔ ماسٹر صاحب کلاس روم سے باہر نکلے اور اس کی دھینگا مشتی شروع۔ اس کو مار... اس کی چٹکی لے لی۔ اس کے کان پکڑے— اس کی ٹانگ کھینچی، کسی کو گھونسا، کسی کو تھپڑ، نہ جانے اس نے کتنے لوگوں کو ستایا۔ کتنے لوگوں کی بددعائیں لی تھیں، کتنوں کے دلوں کو دکھایا تھا۔

اسے اچھی طرح یاد ہے ایک بار اس کا ایک لڑکے سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ لڑکے نے اپنے والد صاحب سے بک اور کمپاس بکس خریدنے کے لیے کچھ پیسے لائے تھے۔ اس نے لڑکے کی جیب میں پیسے دیکھ لیے۔ بس پھر کیا تھا چھٹی کے بعد اسے دھونس دے کر پیسے مانگے۔ لڑکے نے انکار کیا تو اس نے اسے پٹخ دیا اور پھر اس لڑکے کے سینے پر سوار ہو کر اس کی جیب سے سارے پیسے نکال لیے اور اسے دو چار مکے بھی رسید کر دیے۔

لڑکا روتا ہوا ماسٹر صاحب کے پاس گیا۔ ماسٹر صاحب نے بری طرح اس کی پٹائی کر دی۔ مار کھاتے وقت وہ چلایا مگر اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں نکلا— وہ بنچ پر جا کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد ماسٹر صاحب نے اسے اپنے پاس بلایا اس کی پیٹھ اور سر پر نہایت شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اسے سمجھایا ''دیکھو زلفو! یہ کچھن آوارہ، بدمعاش لوگوں کے ہیں، تم عمر کے لحاظ سے کلاس میں سب سے بڑے ہو، تمھیں تو نمونہ بن کر رہنا چاہیے۔ اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔ اپنی حرکتوں اور برے کاموں سے باز آجاؤ—، اگر تم نہیں سدھرے تو دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں خسارہ۔ دونوں جہاں میں پھٹکار ہی پھٹکار ہے تمھارے لیے— سنبھل جاؤ— سدھر جاؤ، آدمی گنوں سے اچھا بنتا ہے اور کرموں سے پہچانا جاتا ہے!''

زلفو نے بڑی سعادت مندی سے استاد کی نصیحتیں سنیں ایسے سر جھکا کر جیسے وہ اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

مگر یہ کیا—!

زلفو چھٹی کے بعد استاد کی نصیحتوں کا مذاق اڑا رہا تھا ''نمونہ بن کر رہنا چاہیے... واہ... آہا... نمونہ! ہم نمونہ ہی تو ہیں، بہادر— دلیر— نڈر... ایسے نہیں'' وہ اس لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا جس سے اس نے پیسے چھینے تھے اور اسے مارا تھا پھر وہ قہقہے لگانے لگا ''آہا... آہا... ہاہا...''

زلفو کے قہقہے آج بھی اس کے کانوں میں گونج رہے ہیں، وہ اس کی قبر کو چند لمحات تک تکتا رہا، پھر اپنے ساتھی سے پوچھا ''یہ کیسے مرا؟''

''ارے کیسے—! انسانوں کی موت انسانوں کی طرح ہوتی ہے اور شیطانوں کی شیطانوں کی طرح۔ وہی اپنے پرانے لچھنوں میں اس کی جان گئی۔ سیر کو ایک دن سوا سیر مل ہی گیا۔

''کیا ہوا تھا۔'' اس نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

ساتھی کہنے لگا ''ایک رات اس نے ایک اجنبی کا گلا پکڑا اور اس سے پیسے مانگے وہ کافی طاقتور شخص تھا۔ اس نے پیسے تو نہیں چاقو نکالا اور اس کے سینے میں ایسا اتارا کہ وہ ایک چیخ کے بعد دوسری چیخ بھی نہیں نکال سکا!'' ساتھی نے اس کی قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا پھر مختصر سے وقفے کے بعد نفرت آمیز لہجے میں بولا ''بہت اچھا ہوا، لوگوں کو اس کے شر سے نجات مل گئی۔''

■

Mohd Tarique
Inamdar House, Post: Kohlapur
Distt.: Amravati - 444802 (Maharashtra)
Mob.: 8055503366

شاهنواز ابراهیم

مبشر اور جھینگا

دو لقمے مبشر نے والد کے ہاتھوں سے آسانی سے کھا لیے مگر جیسے ہی تیسرا لقمہ منہ تک پہنچا۔ اس نے ناگواری ظاہر کرتے ہوئے سر پیچھے کر لیا کیونکہ کھانے کا ذائقہ آج بدلا بدلا سا لگ رہا تھا، والد بھی پس و پیش میں پڑ گئے، آج تک مبشر نے دوپہر کا کھانا کھانے سے انکار نہیں کیا تھا جب اس نے دو چار لقمے کھانا شروع کیا تھا ابھی اس کی عمر تین چار سال ہی ہوئی تھی، پھر بھی دوپہر میں دستر خوان پر بیٹھ کر کھانے کا انتظار کیا کرتا تھا، ناشتہ اور رات کا کھانا گرچہ بمشکل اسے کھلایا جاتا تھا، والدہ کسی طرح ناشتہ اور رات کا کھانا ایک دو لقمے کھلانے میں کامیاب ہو پاتی تھیں، مگر آج دوپہر میں بھی کھانے سے انکار کر رہا تھا، جس کی وجہ سے والدہ فکر مند ہو گئیں اور دوڑتی ہوئی باورچی خانے سے آئیں اور پوچھا:

کیا ہوا بیٹے، کھانا کیوں نہیں کھا رہے ہو؟ تیکھا زیادہ ہے کیا؟ اگر تیکھا زیادہ ہے تو میں شکر لا دیتی ہوں۔

نہیں… نہیں… نہیں کھانا ہے۔

نہیں… نہیں کھاؤں گا۔

دستر خوان سے اٹھتے ہوئے مبشر نے اپنی توتلی زبان سے کہا۔

کیا ہوا؟ کیوں نہیں کھانا ہے؟ کیا کھانا اچھا نہیں لگ رہا ہے؟ ایک دو گھونٹ پانی پی لو، پھر کھانا اچھا لگے گا۔ والد نے ہاتھ پکڑ کر کھانے پر بٹھاتے ہوئے پیار سے کہا۔

نہیں… نہیں آج کھانا کچھ الگ لگ رہا ہے۔ مبشر کی پیٹھ سہلاتے ہوئے والدہ نے کہا، چاول تو وہی ہیں جو میں پکاتی ہوں۔

نہیں… نہیں… چاول نہیں سالن الگ ہے۔

اوہ… تو تم سالن کی وجہ سے کھانا نہیں کھانا چاہ رہے ہو۔ والدہ نے کہا۔

ہاں… ہاں… اسی وجہ سے مجھے کھانا اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی ٹیڑھی سکڑی ہوئی چیز کیا ہے۔ آج تک یہ سبزی کبھی بنی نہیں۔

یہ جھینگا ہے! والد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اس کا درخت کیسا ہوتا ہے؟ کیا یہ تناور درخت میں پھلتا ہے؟ یا لوکی کی طرح بیل میں، یا میٹھی گاجر کی طرح زمین کے نیچے! گاجر کتنی میٹھی ہوتی ہے کتنی اچھی لگتی ہے کھانے میں، گاجر تو مجھے بہت پسند ہے! ایک کے بعد ایک مبشر نے کئی سوال کرڈالے۔

گاجر تمھیں پسند ہے، کل بازار سے پھر لا دوں گا مگر آج جو چیز تم کھا رہے ہو وہ کسی درخت میں نہیں پھلتی ہے، بلکہ یہ ایک آبی مخلوق ہے۔

مبشر کے کان کھڑے ہو گئے۔

کیا! کیا! یہ آبی مخلوق ہے مگر مچھلی منڈی میں تو آج تک دیکھا نہیں ہے جب جب آپ کے ساتھ گیا ہوں۔

یقیناً تم نے نہیں دیکھا ہوگا کیونکہ جھینگا کمیاب ہے، ماہی گیر آسانی سے اسے نہیں پکڑ پاتے ہیں، بڑی مشکل سے ماہی گیر اسے پکڑ پاتے ہیں، وہ بھی کم مقدار میں اور کبھی کبھی۔

کیا یہ دیگر آبی مخلوق کی طرح جاندار ہے۔ یہ بھی سانس لیتی ہے، چلتی بھی ہے، کھاتی بھی ہے کیا؟ تجسس بھری نگاہوں سے والد کی طرف دیکھتے ہوئے مبشر نے کہا۔

ہاں ... ہاں... کچھوا، سیپی، کیکڑا، مچھلی اور دیگر آبی مخلوقات کے مانند یہ بھی جاندار ہے۔

کل آپ کے ساتھ مچھلی منڈی جاؤں گا اور جھینگا خریدوں گا، پھر امّی جان پکائیں گی تو کھاؤں گا۔

آج اسے نہیں کھا سکتا۔ مبشر نے والد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بیٹا! جھینگا، مچھلی منڈی میں روزانہ نہیں آتا ہے، ممکن ہے کل مچھلی منڈی میں جھینگا نہ مل پائے۔ والد نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

نہیں... آج نہیں کھا سکتا، جب خود بازار سے خرید کر لاؤں گا تبھی کھاؤں گا۔

والد نے مبشر کی ضد دیکھتے ہوئے سامنے سے جھینگے کا سالن ہٹا لیا، تب جا کر مبشر نے چار پانچ لقمے والد کے ہاتھ سے کھائے۔ مگر وہ مچھلی منڈی جانے کے لیے بے چین ہونے لگا، کل کے بجائے وہ ابھی مچھلی منڈی پہنچ جانا چاہ رہا تھا، مگر والد کے سمجھانے پر اس نے بات مان لی مگر شام تک اس کے ذہن پر مچھلی منڈی ہی جانے کا خیال سوار رہا، جس کی وجہ سے رات کا کھانا جلدی کھا کر بستر پر لیٹ گیا تاکہ صبح تڑکے بیدار ہو کر مچھلی منڈی پہنچ جائے اور جھینگا خرید کر لائے۔ جھینگے کے چکر میں رات اس نے کروٹیں بدلتے ہوئے گزاری، پَو پھٹتے ہی وہ گھر سے والد صاحب کے ساتھ مچھلی منڈی کے لیے نکل چکا تھا، دِل میں خیالات ابھر رہے تھے، ذہن پر جھینگا سوار تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ جھینگا لا کر گھر میں حفاظت سے رکھوں گا، صبح شام اسے کھانا کھلاؤں گا، اس کے پانی کو کبھی بھی میلا نہیں ہونے دوں گا۔

بیٹا مبشر! پھل منڈی سے پہلے ہم کچھ تازہ پھل خرید لیتے ہیں۔ والد نے مبشر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں... نہیں... پھل بعد میں خرید لیں گے مبشر کی ضد پہلے مچھلی منڈی جانے کی تھی۔

ٹھیک ہے... ٹھیک ہے... چلو پہلے ہم مچھلی منڈی ہی چلتے ہیں۔

باپ بیٹے کی نوک جھوک مچھلی منڈی پہنچ کر ختم ہوئی، مچھلی منڈی میں داخل ہوتے ہی مبشر کی نگاہیں جھینگا ڈھونڈنے لگیں، والد بھی جھینگے کو ہی تلاش کر رہے تھے، کئی مچھلی فروشوں سے پوچھا سب نے انکار کیا جس کی وجہ سے مبشر کے چہرے سے مایوسی کے آثار ظاہر ہونے لگے، والد کو بھی اس کا

احساس تھا، مگر اچانک مبشر ایک مچھلی فروش کے سامنے کھڑا ہوگیا، اس مچھلی فروش کے پاس کچھوا تھا، جیسے ہی مبشر نے اپنی انگلیوں سے کچھوے کو چھوا تو کچھوے نے اپنے سر کو اندر کرتے ہوئے کہا:

مجھے انسان سے ڈر لگتا ہے!

کیوں؟ تمھیں انسان سے کیوں ڈر لگتا ہے، انسان تو بقدرِ ضرورت ہی آبی مخلوق کا شکار کرتے ہیں۔ مبشر نے کچھوے کی طرف حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں... نہیں... ایسی بات نہیں ہے، بقدرِ ضرورت شکار کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے، اگر انسان صرف شکار پر اکتفا کرلے تو مجھے انسان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے... ڈر تو اس وقت لگتا ہے جب انسان ندی اور تالابوں میں گندگی ڈالتا ہے۔ گندی نالیوں کا پانی بہاتا ہے... جو آبی آلودگی کا سبب بنتا ہے، جس کی وجہ سے بہت سی آبی مخلوق ناپید ہوتی جارہی ہیں... جھینگا معدوم ہونے ہی والا ہے۔

جھینگا نام سنتے ہی مبشر کو زور کا جھٹکا لگا کیا؟ کیا؟ جھینگا اب ہمیں نہیں مل پائے گا! مبشر نے کچھوے سے پوچھا۔

آبی آلودگی کی وجہ سے بہت جلد جھینگا اور دیگر چھوٹی موٹی آبی مخلوقات ختم ہوجائیں گی۔ کچھوے نے مایوسی کے لہجے میں کہا۔

آلودہ پانی کی وجہ سے جھینگا اور دیگر چھوٹے موٹے آبی جانور ختم ہوجائیں گے، یہ تو بہت افسوس کی بات ہے، کیا انھیں بچانے کی کوئی تدبیر نہیں ہے؟ مبشر نے انگلیوں سے اپنے ہونٹ کو پکڑتے ہوئے کہا۔

ہاں!... انھیں بچانے کی تدبیر بھی ہے اور ان مخلوقات کو بچانا بھی بہت ضروری ہے... نہیں... تو... اس کی وجہ سے رونما ہونے والے برے اثرات کسی نہ کسی درجے میں انسان کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوں گے، آج نہیں تو کل انسان کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ کچھوے نے مبشر کی طرف پر امید نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں... ہاں... تم تدبیر بتاؤ... میں کوشش کروں گا۔

سب سے پہلے تو ندی اور تالابوں میں گرنے والے گندے نالوں کو روکنا ہوگا، گھریلو اور صنعتی کچڑے کو ندی اور تالابوں میں پھینکنے سے بچنا ہوگا، اِن سب چیزوں کی وجہ سے ہی عموماً پانی آلودہ ہوجاتا ہے اور آبی مخلوقات کے لیے جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ کچھوے نے مبشر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

کیا اگر تمھاری باتوں پر عمل کیا جائے تو کیا مجھے جھینگا مل سکتا ہے؟ مبشر نے کچھوے سے پوچھا۔

ہاں... ہاں... کیوں نہیں... صاف پانی میں آبی مخلوقات کی افزائش وسیع پیمانے پر ہوتی ہے۔

پر تم سے وعدہ ہے کہ آج سے میری زندگی کا ایک اہم مقصد آبی آلودگی کو ختم کرنا ہی رہے گا، تاکہ آبی مخلوقات بھی اپنی زندگی سکون سے جی سکے۔ اس مشن میں میں اپنے دوستوں کو بھی شامل کرنے کی کوشش کروں گا، تاکہ سب مل کر آبی آلودگی کی روک تھام کے لیے اقدامات کرسکیں۔

مبشر کے عزم کو دیکھتے ہوئے کچھوے نے حوصلہ افزائی کی اور مستقبل کے لیے نیک خواہشات ظاہر کرتے ہوئے دعائیں دیں، کیونکہ اسے طالب علم کے لیے آبی مخلوقات کی دعا کی اہمیت کے سلسلے میں معلوم تھا۔

■

Sahanwaz Ibrahim
UHS Kiratpur
Darbhanga - 847103
Mob.: 7857868379

یاسمین بانو

کہانی

نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی

عمیر پانچویں جماعت میں ہی تھا کہ اس کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ عمیر اور دو چھوٹی بہنیں یتیم ہو گئے۔ عمیر کے ننھیال والوں کی بھی مالی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ ان چاروں کی پرورش کا ذمہ لے سکیں۔ ددھیال والوں نے بھی دھیرے دھیرے ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں۔ عمیر کی امی پڑھی لکھی نہیں تھی کہ کوئی نوکری کی تلاش کر سکے اور نہ ہی انھیں سلائی وغیرہ آتی تھی۔ مجبوراً انھوں نے محلے کے کچھ گھروں میں جھاڑو، برتن کا کام کرنا شروع کر دیا۔ انھیں گھروں میں ایک گھر شکیل سر کا بھی تھا۔ شکیل سر اور ان کی اہلیہ اس بیوہ اور بچوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ عمیر بہت ہی ذہین اور سمجھدار بچہ تھا۔ عمیر کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے شکیل سر نے اس کی ٹیوشن فیس کا ذمہ بھی لے لیا تھا۔ یوں دن گزرتے رہے۔ عمیر بھی محنت اور لگن سے کامیابی کے زینے چڑھتا رہا اور ہر جماعت میں اول پوزیشن حاصل کرتا رہا۔ شکیل سر اور ان کی اہلیہ بھی اس کی کامیابی سے خوش ہوتے اور اس کی بہتر رہنمائی کرتے۔ دسویں کے امتحان میں بھی عمیر نے پوری ریاست میں اول پوزیشن حاصل کی۔ نیٹ کا امتحان بھی اچھے نمبرات حاصل کر کے پاس کیا۔ شکیل سر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اپنی کوشش اور اہل خیر حضرات کے تعاون سے عمیر کو ایم بی بی ایس کے لیے ممبئی بھیج دیا۔ تب سے عمیر اپنی امی اور بہنوں کے ساتھ ممبئی شفٹ ہو گیا۔ عمیر کو ممبئی آئے اب 15 سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر عمیر کو آج گھر سے نکلنے میں ہی دیر ہو چکی تھی۔ اچانک بیچ چوراہے پر انھیں کافی بھیڑ دکھائی دی۔ انھوں نے ڈرائیور سے کہا چاچا گاڑی روکیے دیکھتے ہیں کیا ماجرا ہے۔ گاڑی ایک طرف روک کر دونوں آگے بڑھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دو نوجوان خون میں لت پت بے ہوشی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ موبائل بھی چکنا چور ہو گیا ہے اور بائیک بھی بری طرح ٹوٹ چکی ہے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ کچھ دیر پہلے ایک ٹرک اور اس بائیک کی زوردار ٹکر ہو گئی اور ٹرک چالک فرار ہو چکا ہے۔ لوگ کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ کچھ لوگ اپنی اپنی راہ لے رہے تھے۔ ڈاکٹر عمیر آگے بڑھے۔ دونوں کی نبض دیکھی اور ڈرائیور سے کہا۔ چاچا گاڑی ادھر لے آئیے۔ جلدی کیجیے، ان کی حالت بہت نازک ہے۔ ہم انھیں اپنے ہاسپٹل لے کر چلتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر کا خدمتِ خلق کا یہ جذبہ دیکھ کر وہاں کھڑے کچھ لوگ بھی آگے آئے اور انھیں گاڑی میں

بٹھانے میں مدد کی اور دو لوگ ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ راستے میں ڈاکٹر عمیر نے انسپکٹر صاحب کو فون کر کے اطلاع دے دی تھی۔ ہاسپٹل پہنچتے ہی پورا عملہ حرکت میں آ گیا اور بڑی تیزی سے علاج شروع ہو گیا۔ اسی بھاگ دوڑ میں رات ہو گئی تب کہیں جا کر انھیں ہوش آیا۔ اب ڈاکٹر عمیر مطمئن ہوئے۔ انسپکٹر صاحب بھی آ چکے تھے۔ انھوں نے ان سے ایڈریس نوٹ کیے تاکہ ان کے گھر والوں کو اطلاع دی جا سکے۔

شکیل سر کا اکلوتا بیٹا خالد اپنے دوست کے گھر ممبئی آیا ہوا تھا اور اپنے دوست کے ساتھ بائیک پر نکلا تھا کہ اچانک یہ حادثہ پیش آ گیا۔ اطلاع ملتے ہی شکیل سر ممبئی کے لیے روانہ ہو گئے۔ انھیں پتہ چل چکا تھا کہ ایک ڈاکٹر کی مدد کی وجہ سے ہی ان کے اکلوتے بیٹے کی جان بچ سکی ہے۔

دوسرے دن ڈاکٹر صاحب دونوں زخمیوں کی فائلیں دیکھنے میں غرق تھے کہ کیبن کا دروازہ کھلا، ملازم اندر آیا اور کہنے لگا ''ڈاکٹر صاحب ان زخمیوں کے سرپرست آئے ہوئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب نے کہا اچھا ٹھیک ہے آپ انھیں اندر بھیج دیجیے۔ یہ کہتے ہوئے وہ واپس فائلیں دیکھنے میں غرق ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر شخص اندر داخل ہوا اور روندھے گلے کے ساتھ السلام وعلیکم کہا۔ عمیر نے سلام کا جواب دیتے ہوئے جیسے ہی نظر اٹھائیں تو اپنے محسن شکیل سر کو سامنے دیکھ کر حیرانی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اپنی چیئر چھوڑ کر فوراً والہانہ جوش کے ساتھ شکیل سر سے لپٹ گئے۔ باوجود ضبط کے آنسو ان کی آنکھوں سے رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ شکیل سر کے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اس قدر جذبات کے ساتھ کیوں مل رہے ہیں دراصل 15 سال کے طویل عرصہ میں عمیر کی شکل و شباہت میں کافی تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ اسی لیے شکیل سر عمیر کو پہچان نہیں پائے۔ تبھی ڈاکٹر عمیر نے شکیل سر سے مخاطب ہو کر کہا ''سر میں عمیر ہوں عمیر'' اور کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگا ''سر میں وہی عمیر ہوں جو آپ کی مدد اور رہنمائی کے نتیجے میں آج اس مقام پر پہنچا ہوں۔ یہ اتنا بڑا ہاسپٹل، یہ کیبن، یہ ملازمین، یہ عزت، یہ شہرت یہ سب آپ کی رہنمائی اور اللہ کی مدد کا نتیجہ ہیں۔'' اتنا سننا تھا کہ ساری داستان شکیل سر کی آنکھوں کے سامنے آ گئی اور شکیل سر کے ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگی کہ ''نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔''

■

Yasmeen Bano
Akbari Chowk, Biyabani
Infront of Akbari Medical
Achalpur- 444806 (Maharashtra)

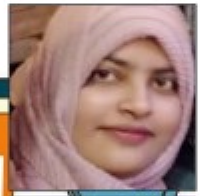

عاتکہ ماہین

پالیتھین اب نہیں!

کردار: رمیش، موہن، صہیب، جانسن

اسٹیج پر ایک فنکار ادھر سے ادھر گھوم رہا ہے۔ وہ بہت پرجوش دکھائی دیتا ہے۔ تبھی دوسرا فنکار اسٹیج پر پہنچتا ہے۔

رمیش: ارے موہن، بھئی بڑے خوش نظر آ رہے ہو، کیا بات ہے؟

موہن: ارے آؤ رمیش... یار واقعی بہت خوشی کی بات ہے۔

رمیش: اچھا! ایسا کیا؟

موہن: ارے یار، پرنسپل سر نے پالیتھین پر ایک پروگرام کرنے کے لیے کہا ہے... اور میں خود بھی یہ چاہتا تھا کہ پالیتھین کے استعمال کے خلاف کچھ کیا جائے۔

رمیش: واقعی یار، اس پالیتھین نے آج زمین کو جہنم بنا دیا ہے۔ اگر جلد ہی ہم نے اس کے متعلق سنجیدگی سے کچھ نہیں سوچا تو یقینی طور پر ہم اپنے ہاتھوں ہی خود کو تباہ کر لیں گے۔

موہن: صحیح کہہ رہے ہو رمیش بھائی، جانتے ہو، آج ذرا سی برسات میں جو شہر بجبجانے لگتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ پالیتھین ہی ہے۔

رمیش: اچھا! وہ کیسے؟

موہن: ارے بھائی، ہم لوگ گھر کا کوڑا پالیتھین میں بھر کر نالے، نالیوں میں ڈال دیتے ہیں۔ جس سے وہ جام ہو جاتے ہیں اور ذرا سا پانی پڑتے ہی وہ گلیوں میں اور سڑکوں پر بہنے لگتا ہے۔

رمیش: ہاں، یہ تو بالکل صحیح کہا تم نے!

موہن: ارے ہاں، تمھیں پتہ ہے کہ یہ پالیتھین ہزاروں سال تک گلتی نہیں ہے... اور اگر اسے جلایا جائے تو کاربن ڈائی آکسائیڈ تو نکلتی ہی ہے اس کے ساتھ ایسی خطرناک گیسیں نکلتی ہیں جن کے رابطے میں ہم اگر مسلسل رہے تو کینسر جیسی مہلک بیماری ہونے کا امکان کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

رمیش: (تعجب سے) اچھا! یہ تو تم نے واقعی نئی جانکاری دی ہے۔

موہن: ایک اور بات تمھیں بتاؤں... بحر اوقیانوس میں اتنا بڑا پلاسٹک بر اعظم بن چکا ہے کہ جس کا سائز برطانیہ کے سائز سے دوگنا بڑا ہے... یعنی برطانیہ کے سائز سے دوگنا زیادہ پلاسٹک کچرا تو ہم بحر اوقیانوس میں جمع کر چکے ہیں۔

رمیش: ارے باپ رے! یہ تو واقعی بہت مہلک صورت حال ہے۔

(تبھی ایک اور فنکار اسٹیج پر آتا ہے، جس کے دونوں ہاتھ میں پالیتھین ہے، جن میں سے ایک میں سبزی ہے اور دوسرے میں دودھ ہے)

موہن: ارے صہیب بھائی، آؤ۔ آؤ... تم بھی آؤ!

رمیش: ارے یہ کیا... یہ پالیتھین بیگ میں کیا لے کر آئے ہو؟

صہیب: ارے کچھ نہیں یار... گھر جا رہا تھا، سوچا کہ سبزی، پھل اور دودھ ہی لے چلوں۔

موہن: لیکن تمھیں پتا ہے کہ سبزی، پھل اور دودھ کے ساتھ بیماری لے کر گھر جا رہے ہو؟

صہیب: (حیرت سے) بیماری؟ وہ کیسے؟

رمیش: ارے، تم جو یہ کھانے پینے کی چیزیں ان پالیتھین میں لے کر جا رہے ہو تمھیں معلوم ہے ان کے بنانے میں جو رنگ استعمال ہوتا ہے وہ لیڈ اور کیڈمیم سے مل کر بنتا ہے اور یہ رنگ کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ہمارے جسم میں پہنچ جاتا ہے۔ جس سے مختلف مہلک بیماریاں ہمیں گھیر لیتی ہیں۔

صہیب: اچھا! ارے باپ رے!

موہن: یہ جو کیمیکلس ہیں، ایک بار جسم میں داخل ہونے کے بعد باہر نہیں نکلتے، جہاں تہاں اکٹھے ہوتے رہتے ہیں اور جس حصے میں یہ جمع ہو جاتے ہیں اس پر بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے پیٹ، گردہ جسم میں جگہ جگہ درد ہونا وغیرہ جیسی متعدد بیماریاں تیزی سے پھیل رہی ہیں۔

صہیب: (حیرت سے) ارے باپ رے!... آج کے بعد میں تو توبہ کرتا ہوں... اس طرح کھانے پینے کی چیزوں کے لیے کبھی پالیتھین کا استعمال نہیں کروں گا۔

(تبھی ایک اور فنکار کی حاضری، جس کا نام جانسن ہے۔)

جانسن: پیارے! ہمیں کھانے، پینے کی ہی نہیں، بلکہ تمام طرح کے میدانوں میں پالیتھین کو خارج کرنا ہوگا۔

صہیب: وہ کیوں؟

جانسن: ہم جو پالیتھین گھر لے کر جاتے ہیں بتاؤ بعد میں ان کا کیا ہوتا ہے؟

صہیب: انھیں دوبارہ استعمال کیا جاتا ہے، یا پھر کئی مرتبہ تو گھر کا کچرا ان میں بھر کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

رمیش: اور کئی دفعہ اس پھینکے گئے کچرے میں پھل سبزیوں کے چھلکے یا دوسری خراب اور بچی کھچی کھانے پینے کی چیزیں بھی ہوتی ہیں۔

صہیب: ہاں۔ بالکل!

اور ان کھانے پینے کی چیزوں کو ادھر۔ ادھر گھومتی گائیں پالیتھین کے ساتھ کھا لیتی ہیں۔ یہ پالتھین ان کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے اور کبھی کبھی تو بڑھتے بڑھتے اس کی مقدار تیس چالیس کلو تک پہنچ جاتی ہے۔

صہیب: (تعجب سے) اچھا!

رمیش: اس طرح ایک دن وہ تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیتی ہے...

صہیب: تب تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دودھ دینے والے جانوروں کی تعداد میں کمی واقع ہونے کے لیے پالیتھین بھی ذمے دار ہے۔

جانسن: میرے پیارے! نہ صرف دودھ دینے والے جانوروں کی تعداد بلکہ دوسرے جانور اور پرندوں کے علاوہ یہ پالیتھین کھیتوں کی اپجاؤ طاقت کو بھی مسلسل کم کرتی جا رہی ہے۔

موہن: ہاں، بالکل، کیونکہ نہ گلنے کی وجہ سے یہ مٹی میں دبی رہتی ہے اور فصل کے پھلنے پھولنے میں رکاوٹ پیدا

کرتی ہے۔

رمیش: اور اس سے نجات حاصل کرنا آج ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے کیوں کہ پالیتھین آج ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ بن گئی ہے... اور سستی، ٹکاؤ اور ہلکی ہونے کی وجہ سے لانے لے جانے میں بہت آسانی بھی ہوتی ہے۔

موہن: اسی وجہ سے آج ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ ہم اس سے آزاد نہیں ہو سکتے۔

جانسن: بالکل ہو سکتے ہیں کسی عالم نے کہا ہے کہ حالات کبھی بھی اتنے خراب نہیں ہوتے کہ انھیں بہتر نہ کیا جا سکے۔

صہیب: یار... میرے ہاتھوں میں جو یہ پالیتھین کے پیکٹس ہیں، اب انھیں پھینک تو نہیں سکتا... لیکن واقعی مجھے بڑی شرمندگی ہو رہی ہے ان کی وجہ سے... ہاں، میں قسم کھاتا ہوں کہ آج کے بعد میں کوئی بھی چیز بازار سے لانے کے لیے گھر سے کپڑے کا بیگ لے کر چلوں گا۔

رمیش: ویری گڈ صہیب! تم کیا، ہم سبھی قسم کھاتے ہیں کہ آج کے بعد پالیتھین کا استعمال نہیں کریں گے۔

جانسن: (ناظرین کی طرف دیکھ کر) میں یہاں موجود سبھی ساتھیوں سے کہوں گا کہ وہ ہمارے ساتھ یہ عہد کریں کہ پالیتھین کا استعمال اب کبھی نہیں کریں گے۔

موہن: تب ٹھیک ہے، میں بلند آواز سے کہوں گا، ''پالیتھین کا استعمال'' اور آپ سبھی لوگ کہیں گے، ''نہیں کریں گے!'' ''نہیں کریں گے!''۔ اچھا۔

موہن: پالیتھین کا استعمال!

ناظرین: نہیں کریں گے! نہیں کریں گے!

(موہن یہی حلف تین دفعہ دہراتا ہے، سبھی اس کی پیروی کرتے ہیں)

■

Atika Maheen
Civil Line Azam & Company
Bilthara Road
Ballia -221715 (UP)
Mob.: 9457900853

محمد اکرام

منی کے گیت

بچوں کے ادب کی اہمیت اور افادیت ہر عہد میں رہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر عہد کے اپنے کچھ خاص تقاضے ہوتے ہیں جن کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ بچوں کے لیے ایسے مضامین، کہانیاں اور نظمیں تحریر کی جانی چاہئیں جن میں ان کی تربیت کی باتیں ہوں، ان کے مطالعے سے ان کی معلومات میں اضافہ ہو، ایسی نصیحت آموز باتیں ہوں جن سے وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرسکیں، اچھے اور برے کے مابین امتیاز بھی اچھے انداز میں ہونا چاہیے تاکہ بچے فضول اور لایعنی کاموں میں اپنا وقت برباد نہ کریں۔ بچوں کے ادیب کے لیے سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ وہ جو بھی لکھیں اس میں بچوں کی دلچسپی کا خاص خیال رکھیں۔ شفیع الدین نیر کی اس کتاب 'منی کے گیت' میں بے حد دلچسپ اور معلوماتی نظمیں ہیں جن میں بچوں کی دلچسپی شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ شفیع الدین نیر کا شمار بچوں کے عظیم شاعر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ یہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں معلّمی کے پیشے سے بھی وابستہ تھے اور پھر یہیں سبکدوش ہوئے۔ انھوں نے بچوں کے لیے درجنوں کتابیں تحریر کی ہیں جن میں بچوں کا تحفہ، بچوں کا کھلونا، گھی شکر، نئی کہانیاں، اچھی چڑیا، منی کا تحفہ، منی کے گیت، وطنی نظمیں وغیرہ شامل ہیں۔

زیرنظر کتاب 'منی کے گیت' ویسے تو بچے اور بچیاں دونوں کے لیے مفید ہے، خصوصاً ننھی منی بچیوں کے لیے یہ کتاب زیادہ کارآمد ہے۔ اس کتاب میں 29 نظمیں شامل کی گئی ہیں جن میں خدا کی تعریف، آؤ چندا ماموں آؤ، چینی کی گڑیا، میری اچھی آپا آؤ، منی کی بلی، میری گڑیا، منی کی بکری، مجھ کو میرا بھیا پیارا، گڑیا کا بیاہ، گڈے میاں کا سہرا، منی کی سالگرہ، شرارت کی پتلی، سکھی برکھا کی دیکھو بہار، آؤ سہیلی باغ چلیں ہم، منی اور تتلی، منی کی لوری، عید کی خوشی، ریل کا کھیل، سردی کا زمانہ آیا ہے، پریوں کا ناچ، وہی بڑوں کی چاٹ، منی کی موٹر، گائے، تندرستی ہزار نعمت ہے، دیوالی آئی، گڑیا کا گھروا، منی کا گیت، آؤ منی میلہ دیکھو، خوب چھٹی ہوئی خوب چھٹی ہوئی کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

'منی کے گیت' دراصل ان کی کتاب 'بچوں کا تحفہ' کی کامیابی کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب انھوں نے 40 برس قبل لکھی تھی جو بچوں میں کافی مقبول ہوئی۔ والدین اور رشتے داروں نے اسے تحفتاً بچوں کو پیش کیا۔ استاد اور استانیوں نے بھی 'بچوں کا تحفہ' کا مطالعہ بچوں کے لیے لازمی کردیا۔ درجنوں اسکول میں

یہ کتاب پڑھائی گئی۔ کئی بچیوں نے خطوط کے ذریعے اور کچھ نے زبانی یہ فرمائش کی کہ آپ کچھ نظمیں بچیوں کے لیے لکھیں۔ اس تعلق سے شفیع الدین نیر نے کئی نظمیں تحریر کیں جو کئی رسائل میں شائع ہوئیں۔ بعد میں یہ نظمیں 'منی کے گیت' اور 'منی کا تحفہ' جیسی کتابوں کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔

زیر نظر کتاب 'منی کے گیت' میں سب سے پہلے خدا کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد نظم 'آؤ چندا ماموں آؤ' کو شامل کیا گیا ہے۔ چندا ماموں سے بچوں کو بہت انسیت ہوتی ہے، اس کے تعلق کے بچوں کے ذہن میں کیا کیا خیالات آتے ہیں، شفیع الدین نیر نے اس کا ذکر بڑے ہی حسین انداز میں کیا ہے۔

آؤ، چندا ماموں! آؤ — آؤ، میرا جی، بہلاؤ
دل کی کلیاں کھل کھل جائیں — ایسے چمن کی سیر کراؤ
گیت سہانے میٹھے میٹھے — میں بھی گاؤں تم بھی گاؤ
اپنی سونے کی کشتی میں — مجھ کو اپنے ساتھ بٹھاؤ
پھول ستاروں کے چن چن کر — میرے لیے اک ہار بناؤ
پیارا سا یہ ہار انوکھا — میرے گلے میں تم پہناؤ

ایک نظم 'منی کی بلی' ہے۔ بلیوں سے بچے بہت پیار کرتے ہیں، اسے اپنے گھر میں پالتے پوستے بھی ہیں۔ اس کے ساتھ کھیلنا پسند کرتے ہیں، بلیوں کو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ شاعر نے بچوں کی چاہت کا بہت حسین انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔

منی نے اک بلی پالی — بلی پالی کالی کالی
آنکھیں اس کی نیلی پیلی — نیلی پیلی اور چمکیلی
دن بھر موج اڑاتی تھی وہ — دودھ ملائی کھاتی تھی وہ
چوہیا کو وہ دیکھ جو پاتی — جھٹ پٹ اس کو چٹ کر جاتی

'منی کی سالگرہ' بھی اچھی نظم ہے۔ یوم پیدائش پر ہر بچے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس دن کو اس کے والدین خوب دھوم دھام سے منائیں اور اس کے دوست واحباب کو بلائیں۔ دیکھیے کس انداز میں بچوں کی خواہشات کا ذکر ہے۔

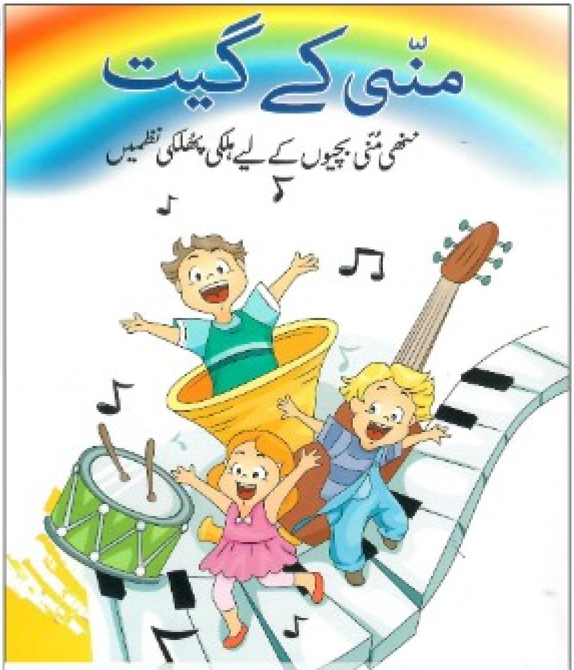

منی کے گیت مصنف: محمد شفیع الدین نیر، صفحات: 50
قیمت: 20 روپے، پہلی اشاعت: 2019
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

آؤ منی کی بی بی کی — سالگرہ کا جشن منائیں
کھیل مزے کے ہم کھیلیں — اچھلیں کودیں، ناچیں گائیں
چائیں مائیں چائیں مائیں — چکر کھائیں، چکر کھائیں
اس اچھی تقریب میں ہم — سب ساتھی بچوں کو بلائیں
خوب ہی خوش ہوں خوب ہی خوش — اٹھیں بیٹھیں کھیلیں کھائیں

بچوں کو ہر اس موقعے کی تلاش ہوتی ہے جس میں انھیں آزادی حاصل ہو، گھومنے پھرنے، کھانے پینے اور موج مستی کے سارے سامان مہیا ہوں۔ شفیع الدین نے 'عید کی خوشی' میں بچوں کے ان حسین جذبات کا کیا خوبصورت انداز میں ذکر کیا ہے۔

لو پھر ہماری عید آ گئی ہے　　ہر ایک خوش ہے گھر گھر خوشی ہے
کیا قہقہے ہیں کیا دل لگی ہے　　ہر سمت گویا شادی رچی ہے
منی اٹھے گی تڑکے سویرے　　جھٹ پٹ نہا کر پہنے گی کپڑے
کپڑے بھی کیسے گوٹے زری کے　　ریشم کا جمپر مخمل کے جوتے
امی سے لے کر عیدی کے پیسے　　بھیا کو دے گی کہہ کر یہ ان سے
پڑھ کر دوگانہ میلے میں جا کے　　میرے لیے بھی کھلونے

عید کے ساتھ دیوالی کا ذکر یوں بھی ضروری ہے کہ اس تہوار کا پیغام آپسی محبت اور بھائی چارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برسوں پہلے سبھی مل کر یہ تہوار مناتے تھے۔ گاؤں میں تو اس تہوار کا ایک الگ نظارہ ہوتا تھا۔ جتنے بھی کنویں ہوتے ان پر دیے جلائے جاتے۔ بچے خاص طور پر بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے۔ شاعر نے اس حسین منظر کو کیا ہی عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔

روشن ہر ہر سمت دیے ہیں　　روشن گھر میں بلب کیے ہیں
کھیل تماشے سب کے لیے ہیں　　پریم کے پیالے سب نے پیے ہیں
لو، اے لو، دیوالی آئی
اوہو ہو، دیوالی آئی
دیوالی کا جشن منائیں　　کھیلیں اور بتاشے کھائیں
بیڑے خوشبودار چبائیں　　پھر نیر کا گیت یہ گائیں
لو، اے لو، دیوالی آئی
اوہو ہو، دیوالی آئی

اس کتاب میں شامل ساری نظمیں شفیع الدین نیر نے بچوں/ بچیوں کے ذوق کا خیال رکھتے ہوئے تحریر کی ہیں۔ زیادہ تر نظمیں چھوٹی بحر میں ہے۔ انھوں نے بہت ہی آسان اور عام فہم زبان کا استعمال کیا ہے۔ الفاظ اور محاورے ایسے استعمال ہوئے ہیں جو روزانہ کی بول چال میں استعمال ہوتے ہیں۔ اندازِ بیان بھی خوب دلچسپ ہے۔

ادب اطفال کے تعلق سے شفیع الدین نیر کی خدمات کی ستائش تو خوب ہوئی ہے۔ سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین بچوں کے ادب پر ان کے بیش بہا خدمات کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

''ان میں (یعنی نیر صاحب میں) بچوں کے ذہن کو سمجھنے اور محبت کرنے کی وہ صفت ہے جو پیدائشی معلم کا جوہر ہوتی ہے... بچوں کی رہنمائی کے لیے جس صلاحیت کی ضرورت ہے وہ ان میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ بچوں کے لیے جو نظمیں انھوں نے لکھی ہیں وہ ایک پیش رو کی حیثیت سے ان کا نہایت ہی بیش قیمت کارنامہ ہے۔ انھوں نے وہ میدان سر کیا ہے جسے سر کرنے کی بہت ہی کم اصحاب نے جرأت کی ہے۔ ان کی نظموں نے تعلیم کے خشک کام کو خوشگوار بنا دیا ہے۔ ان بچوں میں بھی ادبی دلچسپی پیدا کرنے میں کامیابی ہوئے ہیں جو دوسروں مضمونوں کی طرح مادری زبان کی تحصیل کو غیر دلچسپ سمجھتے تھے۔'' (ص VII)

اس کتاب کی اشاعت قومی اردو کونسل سے ہوئی ہے اس لیے 'منی کے گیت' کی اشاعت میں قومی اردو کونسل کے وہ ذمے داران بھی لائق ستائش ہیں جن کی کوششوں سے یہ مرحلہ طے ہو سکا۔ اس کتاب کے علاوہ شفیع الدین نیر کی اچھی چڑیا، منی کا تحفہ، منی کے گیت، وطنی نظمیں بھی قومی اردو کونسل سے شائع ہوئی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ شفیع الدین نیر کی 'منی کے گیت' کے علاوہ بقیہ کتابیں بھی بچوں کو بہت پسند آئیں گی۔

■

Mohd Ikram
89/6A, Street No.: 1
Ghaffar Manzil, Jamia Nagar
New Delhi- 110025
Mob.: 9654882771

بے موقع یا غلط استعمال ہونے والے الفاظ

ذوالقَرنین: جس کی پیدائش کے وقت دو سعد سیارے یک جا ہوں۔ یہ خیال کہ سکندر ذوالقرنین کے دو سینگ تھے اور قرنین تثنیہ ہے قرن بمعنی سینگ کی غلط ہے۔

رَاشِی: رشوت دینے والا، رشوت لینے کو مرتشی یا رشوت خور کہنا چاہیے۔

روضَہ: باغ، ریاض کا واحد، روضہ کے معنی مقبرہ نہیں ہیں۔

سَلَّمَہُ: اس کو (خدا) سلامت رکھے، واحد غائب کا صیغہ ہے۔ واحد حاضر کے لیے سلمکم ہونا چاہیے۔

طِلِسمات: (ذ)= جادو، طلسم کی جمع، واحد نہیں ہے۔

طوُلعُمرُہٗ: یہ لفظ بالکل مہمل ہے، صحیح لفظ (طالَ عُمرُہٗ) یعنی عمر دراز ہو اس کی، واحد حاضر کے لیے (طالَ عُمرُکُم) ہونا چاہیے۔

عُروُق: (ث)، رگیں، نسیں، عرق کی جمع، یہ عرق کی جمع نہیں ہے۔

عزِیزدار: عزیز معنی پیارا، رشتہ دار، عزیز کے آگے (دار) لگانا زائد اور مہمل ہے۔

عَشَرَہ: دس دن کا عرصہ، دسویں تاریخ کے لیے عاشورا ہے۔

عِیدالضُّحیٰ: معنی دو پہر کی عید، عیدالاضحیٰ دو پہر، بقرعید کے لیے عیدالاضحیٰ کہنا چاہیے، اضحیٰ معنی قربانی۔

غرض کِہ: یہ دونوں لفظ بامعنی ہوتے ہوئے بے ربط ہیں۔ ہونا چاہیے (غرض یہ کہ)

فُحَش غلطِی: (ث)= گو کہ یہ لفظ بامعنی ہے مگر اس کا استعمال فاش غلطی یعنی ظاہر غلطی کی جگہ غلط ہے۔

فَلِیتَہ: فتیلہ کا مخرب، فتیلہ جلانے کی بتی۔

فَواکِہ: (ذ)= پھل، فاکہہ کی جمع، فواکہ واحد نہیں ہے۔

قُلفِی: قفلی کا مخرب، قفلی معنی ڈھکنے دار ڈبیا۔

کَرامات: (ث)= کرامت کی جمع، فطرت کے خلاف امور، واحد نہیں ہے۔

گندَا: ناپاک نجس، میلے کو گندا کہنا غلط ہے۔

مُتَوَفِّی: یہ لفظ غلط ہے، صحیح لفظ (مُتَوَفّٰی) معنی وفات پایا ہوا۔

مَزامِیر: (ذ)= باجے، گانے کے ساتھ استعمال ہونے والے ساز۔

مُسَمِّی: یہ بھی غلط ہے صحیح (مُسَمّٰی) ہے۔ معنی جس کا نام ہے۔

مَشکوُر: جس کا شکر ادا کیا جائے، شکر ادا کرنے والا شاکر یا شکر گزار ہوتا ہے۔

مُنَافَعَہ: بالکل مہمل ہے۔ صحیح لفظ (مَنَافِع) ہے۔ معنی فائدے۔

مَنَع: ممانعت، روکنا، انکار کی جگہ اس کا استعمال غلط ہے۔

مَوِیشِی: صحیح لفظ (مواشی) ہے۔ یعنی چوپائے، چرند

ناطِے: اس کا املا اور استعمال دونوں غلط ہیں۔ اصل لفظ ناتا ہے معنی رشتہ، تعلق، لیکن رشتہ تعلق کے بعد حرف عامل (سے) آنا ضروری ہے جو استعمال نہیں کیا جاتا۔

نَاعَاقبَت اَندِیش: ترکیب غلط ہے، صحیح (عاقبت نااندیش) ہے۔

نَقص اَمن: ہونا چاہیے (نقضِ امن) یعنی امن کو توڑنا، بدامنی۔

نُوُر چشمِی: بالکل مہمل، صحیح لفظ ہے (نُورِ چشم) اصطلاحاً اولاد کو کہتے ہیں، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔

واقِفِ کار: ہنر جاننے والا، شناسا کے لیے صرف واقف ہونا چاہیے۔

ھمشِیرَہ: آخر میں (ہ) نہیں ہے۔ ہمشیر معنی دودھ شریک بہن یا بھائی۔ اردو میں ہمشیر صرف بہن کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

■

ماخذ: صحت الفاظ: سید بدرالحسن، **چھٹی طباعت:** 2014،
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔

1. ہندوستان کا آخری وائسرائے کون تھا؟
2. کون سا کوئلہ تجارت کے لیے استعمال ہوتا ہے؟
3. پلاسی کی جنگ کب لڑی گئی؟
4. 2023 میں ارجن ایوارڈ کس کرکٹ کھلاڑی کو دیا گیا؟
5. بھارت رتن اعزاز کب سے شروع ہوا؟
6. ہندوستان کا سب سے بڑا شہری اعزاز کون سا ہے؟
7. سائبر سیکورٹی آگاہی مہینہ کب منایا جاتا ہے؟
8. NEP 2020 کا فل فارم کیا ہے؟
9. برف سے جمی ہوئی ندیاں کیا کہلاتی ہیں؟
10. دانتوں میں کون سی معدنیات پائی جاتی ہے؟
11. دنیا کا سب سے پہلا اسمارٹ فون کب وجود میں آیا؟
12. گاندھی جی نے کس سال ہندوستان چھوڑو تحریک شروع کی تھی؟
13. گوتم بدھ کو کس عمر میں نروان ملا؟
14. پتے سبز کیوں ہوتے ہیں؟
15. کن سا وٹامن زخم بھرنے میں مدد کرتا ہے؟
16. صفر کا عدد کس نے ایجاد کیا؟
17. ایک دائرے میں کتنی ڈگریاں ہوتی ہیں؟
18. ایک دہائی میں کتنے سال ہوتے ہیں؟
1. ہندوستان کی سب سے اونچی پہاڑی چوٹی کون سی ہے؟
20. گنگا ندی کس سمندر میں گرتی ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 39 پر ملاحظہ فرمائیں)

میسرہ رحمت بنت محمد رحمت علی، سن رائز ہائی اسکول، مرادنگر، حیدرآباد، تلنگانہ

محمد نعمان محمد ناظم، درجہ ششم، مہانگر پالیکا اردو اسکول نمبر 10
بدنیرہ، امراوتی، مہاراشٹر

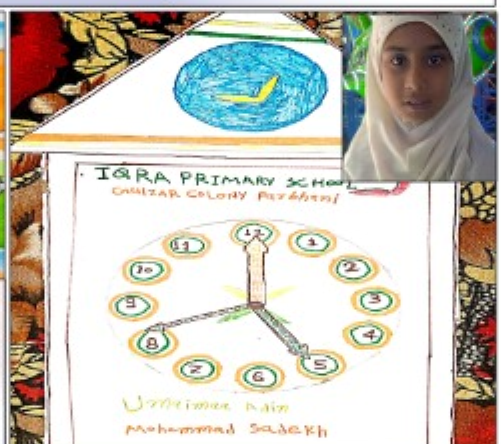

امیمہ عدین محمد صادق، اقرا پرائمری اسکول، گلزار کالونی، پربھنی، مہاراشٹر

عمارہ عبدالسلام دفعدار، درجہ دہم، بیگم قمر النسا کاریگر گرلز ہائی اسکول و جونیئر کالج شولاپور، مہاراشٹر

بشریٰ بھاؤراج شاہ، درجہ ہشتم، ضلع پریشد اردو اسکول، کسارے تعلقہ، ساکری، ضلع دھولیہ، مہاراشٹر

مریم فاروقی درجہ کے جی، پیراماؤنٹ انٹرنیشنل اسکول
سیکٹر 23، دوارکا، نئی دہلی ۔ 77

سنبل انم بنت عبدالرحمٰن، درجہ چہارم، رحیق گلوبل اسکول، شاہین باغ، نئی دہلی

عصمت خان، درجہ ششم، دالارقم پبلک اسکول، رائے بریلی، یوپی

جویریہ زینب، درجہ دوم، مہر منزل، گارڈین ریچ، کولکاتا، مغربی بنگال

صفیہ اکرم انصاری، درجہ پنجم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

ناصحہ صابر علی خان، درجہ ہفتم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

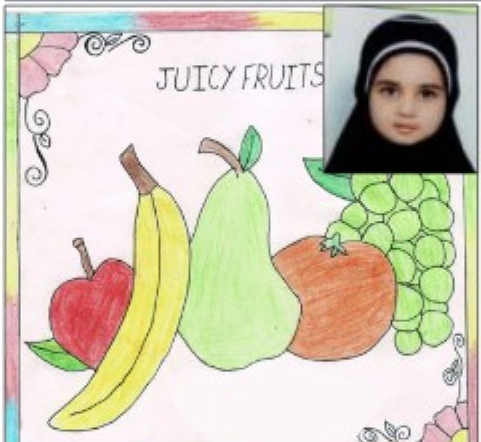

ام کلثوم، درجہ ششم، دالارقم، پبلک اسکول، رائے بریلی، یوپی

نفیس فاطمہ غلام دستگیر مومن، درجہ ہشتم
جے اے ٹی گرلز ہائی اسکول، مالیگاؤں، ناسک، مہاراشٹر

مومن حفصہ مہر انصاری نعیم الرحمٰن، درجہ چہارم
مالیگاؤں ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر

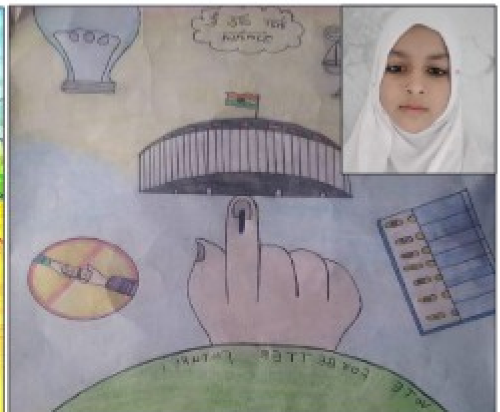

حنا کوثر محمد سلیمان، درجہ دہم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ
برہانپور، مدھیہ پردیش

انصاری عفرا غریم وسیم احمد، درجہ ہفتم، مالیگاؤں ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر

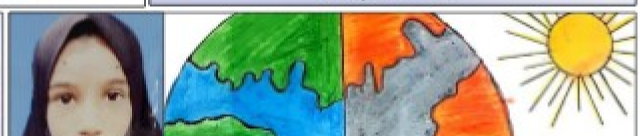

مومن جویریہ عبداللطیف، درجہ سوم، مالیگاؤں ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر

شفا کلثوم، درجہ پنجم، دارالقلم پبلک اسکول، رائے بریلی، یوپی

حفصہ درانی، درجہ پنجم، ریان انٹرنیشنل اسکول، شاہجہاں پور، یوپی

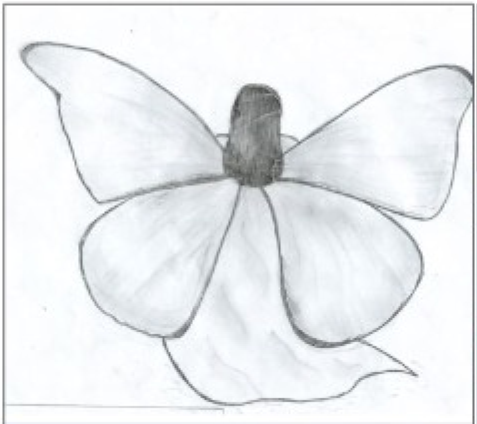

بشریٰ، درجہ ششم، دالارقم پبلک اسکول، رائے بریلی، یوپی

ادیبہ بنت عابد علی، درجہ ششم، دی ٹاؤن اسکول، مالیرکوٹلہ، پنجاب

نواز انصاری محمد نور، جائنٹس موک بدھر اندھ ودھالیہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

عریشہ حیات، درجہ پنجم، دالارقم پبلک اسکول، رائے بریلی، یوپی

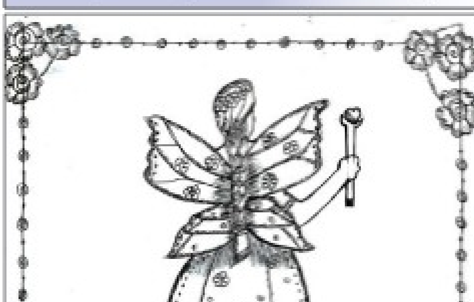

علیشبہ انوار، درجہ ششم، دالارقم پبلک اسکول، رائے بریلی، یوپی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, मार्च 2024, वर्ष 12, अंक 03
BACHON KI DUNIYA Monthly, March 2024 Vol. 12, Issue: 03
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/02/2024
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

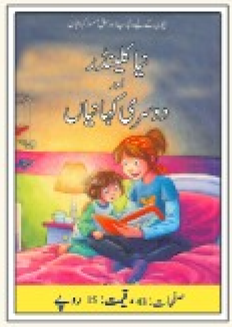

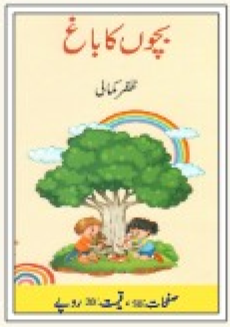

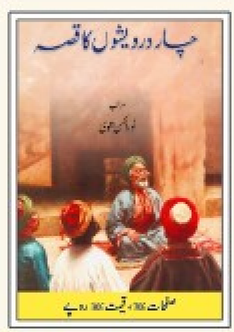

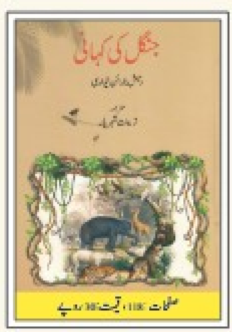

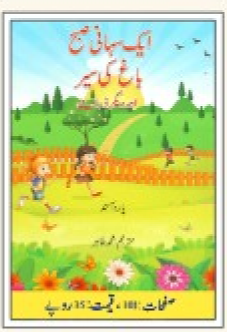

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Dhananjay Singh, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6